

J. H.
~~2~~ 199
218
67

966

GOVT. COLLEGE FOR WOMEN
LIBRARY
SRINAGAR

She
she was

Class No. u 81

Book No. T 14 G

Acc. No. 535

گیتائی

اُنہ

رابطہ ناسٹیکو

متوجہ

نزل چندر

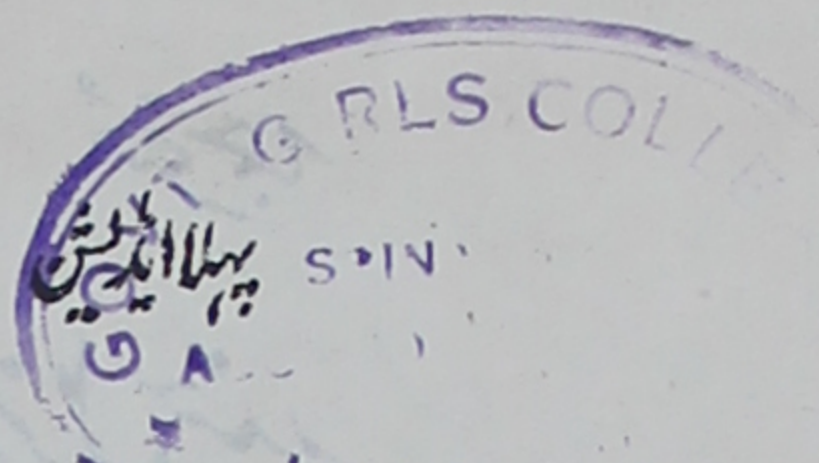
پبلشر

نمائندہ سہگل اینڈ سنز اندرون لوہاری دروازہ لاہور

دین محمدی پریس لاہور میں باہتمام ملک محمد عارف پرنٹر چھپی اور
میسرز نڈائین وٹ سہگل اینڈ سنز لاہور نے شائع کی :-

24
81

acc. no: 535 T 14 G



جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں :-

C. 361.4

قیمت پندرہ

مقدمہ

گیتا بھلی دنیا بصر کی ان بہترین کتب میں سے ہے۔ جو اس زمانہ میں لکھی گئی ہیں۔ صرف یہی بات کہ اس کی انگریزی ایڈیشن کی اشاعت پر اسکے مصنف ڈاکٹر رویندر ناتھ ٹیگور (ٹھاگور) کو ایک لاکھ بیس ہزار روپے کا نوبل پرائیز دیا گیا۔ اس چھوٹی سی کتاب کی عظیم قدر و اہمیت کا قطعی ثبوت ہے۔ شاعر نے اس میں گیتا بھلی کی بنگالی ایڈیشن اور اپنی دیگر بنگالی تصانیف میں سے ۱۴ نظمیں منتخب کر کے خود ہی اس کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔

خود اس کتاب کا نام ہی اس کا مضمون بتلا رہا ہے۔ گیتا بھلی دو لفظوں سے مرکب ہے۔ گیت (نغمہ) اور بھلی (نذر۔ بھینٹ۔ چڑھاوا) بے مثال شاعر نے گویا اس کتاب کی ٹوکری میں اپنے روحانی گیتوں کے چھول رکھ کر اپنے معبود کے آگے عقیدت اور محبت کے ساتھ نذر کئے ہیں۔ راگ کوئی بھی کسی کو سمجھا نہیں سکتا۔ جب تک سننے والا خود حس موسیقی سے بہرہ ور نہ ہو۔ اسی طرح گیتا بھلی کی کوئی تشریح بھی اس کی روح حقیقی کو ظاہر نہیں کر سکتی۔ جب تک اُسے پڑھنے والا خود لطیف اور ترقی یافتہ ادبی مذاق نہ رکھتا ہو۔ آنکھوں والے ایک دوسرے کو چیزوں کے رنگ دکھلا اور بتلا سکتے ہیں۔ مگر خوبصورتی کو دکھلایا اور بتلایا نہیں

جاسکتا۔

البتہ گیتا بجلی میں جن خیالات کو روحانی جذبات کے تعلق میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اُن کے متعلق کچھ بتلا دینا مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ گیتا بجلی کو دماغی طور پر سمجھنے کے لئے بھی ایک خاص نقطہ نگاہ درکار ہے جب تک ہمارا نظریہ موافق نہ ہوگا۔ اس بے نظیر ادبی تحفے کی اصل قدر و قیمت کا کچھ پتہ نہ لگ سکیگا۔

مثلاً جس آنکھ پر اس عقیدے کی سیاہ عینک چڑھ رہی ہے۔ کہ ہماری زندگی ایک طرح کی گراوٹ ہے۔ یہ دنیا وہیم باطل ہے۔ مادہ یا طاقت ہی اصل حقیقت ہیں۔ قوانین قدرت کا جان لینا ہی کافی علم ہے۔ روح محدود ہے۔ موت زندگی کی دشمن ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہ گیتا بجلی کو دل سے چھینا تو دور رہا۔ اسے عقلی طور پر بھی ہو بہو دیکھنے میں قاصر رہے گی۔

ان روحانی گیتوں کا بنیادی نظریہ یہ ہے۔ کہ زندگی بے بہا نعمت ہے۔ دنیا وہو کہ نہیں۔ بلکہ غیر محدود محبت اور خوشی کا نت نیا ظہور ہے اسکی خوبصورتی ظاہر کر رہی ہے۔ کہ یہ اندھی طاقتوں کا کھیل نہیں۔ بلکہ بے انداز سرور کا سدا اچھلتا اور بدلتا ہوا ظہور ہے۔ خدا دور۔ اور آسمانوں پر نہیں۔ بلکہ ہماری ہستی کے مرکز میں موجود رہ کر ہمیں ہر آن نئی سے نئی زندگی اور خوشی دے رہا ہے۔ وہ کوئی قہار و جبار طاقت نہیں بلکہ عین محبت و سرور ہے۔ وہ صرف مالک و خالق نہیں۔ بلکہ سب سے بڑھ کر قریبی رشتہ دار، گہرا دوست اور رفیق ہے۔ وہ بے صورت تمام

صورتوں میں نمودار ہو رہا ہے۔ اور محض وفور محبت کے دُنیا کو پیدا کر رہا ہے۔ یہ دُنیا اس لئے متغیر نہیں کہ فانی اور عارضی ہے۔ بلکہ اس لئے کہ اس کے دل میں غیر محدود اور لامتناہی محبت اور خوشی موجود ہے۔ زندگی موت پر ختم نہیں ہو جاتی۔ موت زندگی کی ہی ایک حالت ہونے سے زندگی کی مانند ہی قدر و محبت کے لائق ہے۔ اور زندگی کے لئے تیار ہی کی مانند موت کے لئے بھی ہیں شوق اور چاؤ کے ساتھ تیار رہنا چاہیے۔ موت موجودہ زندگی کا خاتمہ نہیں بلکہ کمال ہے۔ اور یہ کمال اگلے اعلیٰ تر کمال کا پیش خیمہ ہے۔ دُکھ کوئی لعنت نہیں ہے۔ بلکہ زندگی کی کھٹور محبت کی علامت ہے۔ دُکھ ہمیں جگاتا اور راہ ارتقا پر آگے لے جاتا ہے۔

المختصر گیتا بخلی صرف بے مثال شاعری نہیں۔ بلکہ تسلیم زندگی ہے۔ اس میں زندگی اور دُنیا کو جھٹلانے کی بجائے اُن کی بے انداز قدر و قیمت ظاہر کی گئی ہے۔ گیتا بخلی کا مطالعہ دُنیا سے دل کو بیزار اور اُچاٹ کرنے کی بجائے اس میں نہایت سرگرم اور سدا تازہ دلچسپی پیدا کرنے کا اثر رکھتا ہے۔ خاص کر ہندوستان کو اس پیغام کی اس قدر ضرورت ہے۔ کیونکہ صدیوں سے اس ملک میں دُنیا کے وہم باطل ہونے کا بیزار کن پیغام دیا جا رہا ہے۔ گیتا بخلی ہمارے دلوں میں ایک نئی امنگ اور نئی امید کو پیدا کرتی ہے۔

مگر افسوس ہے۔ کہ جہاں دوسرے ملکوں نے گیتا بخلی کو اتنی قدر و منزلت دی ہے۔ وہاں گیتا بخلی کی اپنی جہم بھومی میں اس کے لئے کوئی

نمایاں یا عام دل چسپی ظاہر نہیں کی گئی۔ اور بد بختی سے اردو زبان میں اس کے جو ترجمے کیئے گئے ہیں۔ وہ فاحش غلطیوں سے پر ہیں۔ اور وہ گیتا بھلی کی اصلی روح و شان کو ظاہر کرنے کی بجائے اُسے دھانکنے کا اثر رکھتے ہیں۔ تعجب ہے۔ کہ عرصہ طویل سے اُس کے ایک اردو ترجمے کو گیتا بھلی کا نام دیا جا رہا ہے۔ اور اس نکر وہ غلطی کی طرف آج تک توجہ تک نہیں دی گئی۔ مترجم ہذا نے اس کا ترجمہ کرتے وقت صرف اس کی انگریزی ایڈیشن کو ہی سامنے نہیں۔ بلکہ اس کی بنگالی ایڈیشن کے ساتھ بھی بالضرورت مقابلہ کر کے ترجمہ کی صحت کو جانچنے اور پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ شاعری ایک نرالی دنیا ہے۔ شاعر ہی اپنے معنی جانتا ہے۔ یا شاید وہ بھی نہیں جانتا۔ مترجم ہذا نے مصنف کی بنگالی تصانیف و تعلیمات کی روشنی میں ان نظموں کے معانی پر اشارات دینے کی کوشش کی ہے۔ مگر قارئین کرم کو چاہیے کہ وہ اصل ترجمہ پڑھتے وقت خود اپنے مذاق لطیف کو ہی اس کے معانی بتانے کا موقع بھی دیں۔ اور صرف اشارات کے مطالعہ پر اکتفا نہ کریں۔

نرٹل چندر
اوکارہ (پنجاب) ۱۹۴۳
۱۹۴۳

کیتا خالی نذر نغمہ

(۱)

تُو نے مجھے بے حد بنا دیا۔ ایسی ہی تیری مرضی ہے۔ تُو اس کمزور اور
نازک برتن (وجود) کو بار بار خالی کرتا ہوا اسے ہمیشہ تازہ زندگی سے محروم
رکھتا ہے۔

تُو نے کی اس چھوٹی سی بالنسرمی کو پہاڑیوں اور وادیوں پر لئے
پھرتا ہے۔ اور اسکی راہ سے نت نئے نئے نغمے پھونک رہا ہے۔

تیرے ہاتھوں کے غیر فانی مس سے میرا انمٹا دل مسرت میں اپنی حدود
کھو بیٹھتا ہے۔ اور ایسی باتیں کرنے لگتا ہے۔ جو بیان میں نہیں آ سکتیں۔
تیرے بے نہایت عطیات میرے ان چھوٹے چھوٹے ہاتھوں پر آتے
ہیں۔ زمانے گزر جاتے ہیں اور تو اب بھی (عطیات کی) بارش کئے جاتا
ہے۔ تب بھی معموری کے لئے گنجائش موجود ہے۔

(زندگی بے پایاں ہے اور سدا بہاؤ کی حالت ہے۔ وجود کا برتن زندگی
سے لگاتار خالی ہو کر بھرا جا رہا ہے۔ حالات کے نشیب و فراز کے درمیان اس
وجود سے نئے نئے خیالات و جذبات کا ظہور ہو رہا ہے۔ حقیقت کو چھوٹے
ہی یہ اغراض و شبہات کی حدود سے آزاد ہو کر وہ کیفیات پیدا کرتا ہے جو صرف
محسوس کیجا سکتی ہیں۔ یہ طرف وجود بے حد زندگی کو اپنے اندر قبول کر رہا ہے
مگر یہ کبھی بھر نہیں جاتا۔ کیونکہ یہ صرف صورت میں محدود ہے۔ حقیقت میں
اس کی کوئی حد نہیں)

(۲۲)

جب تو مجھے گانے کا حکم دیتا ہے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ میرا
دل فخر سے چور چور ہو جائے گا۔ پھر میں تیرے چہرے کی طرف تکتا ہوں۔
اور میری آنکھوں میں آنسو بھرتے ہیں۔

میری زندگی میں جو کچھ بھی کرخت اور بے سراسر ہے وہ پگھل کر ایک
میٹھے لقمے میں بدل جاتا ہے۔ اور میری پرستش اس مسرور پرندے کی

مانند جو سمندر کے اوپر اڑتا جا رہا ہو۔ اپنے بال و پر پھیلا دیتی ہے۔
میں جانتا ہوں کہ تو میرے گانے میں خوشی محسوس کرتا ہے اور میں جانتا
ہوں کہ میں ایک گویے کی حیثیت میں ہی تیرے حضور میں آنے کا موقع پاتا
ہوں۔

میں اپنے گیت کے دُور تک پھیلے ہوئے پر کے کنارے سے تیرے
چروں کو چھوٹا ہوں۔ جن تک پہنچنے کی کبھی جرات ہی نہ کر سکتا تھا۔
گانے کی خوشی سے مست ہو کر میں اپنے آپ کو بھول جاتا ہوں اور
تجھے اپنا دوست کہنے لگتا ہوں، حالانکہ تو میرا مالک ہے۔

رجینا بے اندازہ فخر کے لائق نعمت ہے۔ گہری خوشی آنسوؤں میں بسا
کرتی ہے۔ خوشی اور آنسو ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔ روانی
مسرت زیر کو بھی شہد بنا دیتی ہے سچی پرستش رمی شے نہیں۔
بلکہ اندرونی امنگ اور جذبہ سے نمودار ہوا کرتی ہے حقیقت
سے وصل ہونے کا راستہ صرف آرٹ (صنعت) ہے۔ فلسفہ
اور عمل کی وہاں تک رسائی نہیں ہے۔ صرف جمالیاتی ذوق ہی
محدود کو غیر محدود کے وصل سے بہرہ ور کر سکتا ہے۔ علم میں
دوئی موجود رہتی ہے۔ تضاد نہیں مٹتا۔ مگر محبت میں سب تضاد
مٹ کر وحدت اور مساوات کا احساس ہوتا ہے۔ بندہ اور
خدا باہمی فرق کھو بیٹھتے ہیں۔)

(۳)

اے میرے مالک! میں نہیں جانتا تو کس طرح گاتا ہے۔ میں ہمیشہ خاموش حیرت میں سنا کرتا ہوں۔

تیرے خوشگوار نغمے کی روشنی دنیا کو روشن کر رہی ہے۔ تیرے گانے کا نفس حیات ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک دوڑا پھرتا ہے۔ تیرے راگ کی پوتر دھارا تمام پتھریلی رو کاوٹوں کو توڑتی پھوڑتی ہوئی آگے ہی چلی جاتی ہے۔

میراجی چاہتا ہے کہ تیرے گیت کا ہمنا ہو جاؤں۔ مگر آواز کیلئے اسکی کوشش بے سود ہوتی ہے۔ میں بولتا ہوں مگر میرا بول نغمہ نہیں بنتا۔ میں ہار کر چلا اٹھتا ہوں۔ اُف! — تو نے میرے دل کو اپنے نغمے کے بے نہایت پھندوں میں پھنسا لیا ہے۔ اے میرے مالک!

(سب زندگی اُسی کی ہے جو اس کا چشمہ ہے۔ ہم زندگی کی تخلیقات کو متحیر ہو کر دیکھ سکتے ہیں مگر اس کے راز کو نہیں جانتے۔ تمام کائنات سرور زندگی کا ظہور ہے۔ زندگی کی خوشی سے آسمانوں میں حرکت ہے۔ اور عمل ارتقا جاری ہے۔ جو شخص اس عالمگیر نغمہ زندگی کو سن پاتا ہے۔ وہ بے اختیار ساکت ہو جاتا ہے)

(۴)

میری جانِ جاں! میں اپنے جسم کو ہمیشہ پاک و صاف رکھنے کی

کوشش کروں گا۔ (کیونکہ) میں جانتا ہوں کہ تیرا زندہ مس میرے تمام اعضا پر ہے۔ میں ہمیشہ کوشاں رہوں گا۔ کہ تمام جھوٹی باتوں کو اپنے خیالات سے باہر رکھوں۔ یہ جانتا ہوں کہ تو وہ حقیقت ہے جس نے میرے ذہن کو نورِ عقل سے منور کیا ہے۔

ہمیشہ میری یہی کوشش ہوگی کہ تمام پڑائیاں میرے دل سے دور رہیں (کیونکہ) مجھے معلوم ہے کہ تیرا آسن میرے دل کے نہایت اندرونی مندر میں ہے میرا جتن ہی ہوگا کہ اپنے کاموں میں تجھے ہی ظاہر کروں، یہ جانتا ہوں کہ یہ تیری ہی طاقت ہے جو مجھے کام کرنے کی قوت بخشتی ہے۔
 ہم سب کا معبود اور مقصود کوئی خارجی وجود نہیں، بلکہ وہ چشمہ زندگی ہے۔ جو ہمارے وجودوں میں بہ رہا ہے اور وہ سببِ اندر ہے۔ ہمارا جسمانی، ذہنی، اخلاقی اور عملی جینا ہمارے لئے نہیں۔ بلکہ اسی زندگی کل کے لئے ہے۔)

(۵)

میں تیرے پاس ایک لمحہ کے لئے بیٹھنے کی مہلت مانگتا ہوں۔ جو کام (اس وقت) میرے ہاتھ میں ہیں، بعد میں کر لوں گا۔
 تیرے رشتوں سے محروم ہو کر میرے دل کو ذرا چین آ۔ قرار نہیں ہوتا۔ اور میرا کاغذِ شفقت کے بحرِ بے کنار کے اندر کبھی ختم نہ ہونے والی محنت ہو جاتا ہے۔

آج موسم گرما اپنی آہوں اور سرگوشیوں کو ساتھ لے کر میری کھڑکی پر
آن پہنچا ہے۔ اور شہد کی مکھیاں پھولوں کے کنج کے صحن میں گارہی ہیں
اب وقت ہے کہ تیرے روبرو چپ چاپ بیٹھ کر اس خاموش اور وارن
فرصت میں زندگی بھینٹ چڑھانے کے گیت گاؤں۔

(زندگی پہلے ہے اور کام پیچھے۔ سچی زندگی وہی ہے۔ جو چشمہ زندگی
کے ساتھ اصل ہو۔ اس چشمے سے کٹ کر راحت اور چین کہاں؟
اس جانِ جاں کے دیدار کے بغیر کام و بال جان ہو جاتا ہے۔
موسم گرما کی حرکات اور شہد کی مکھیوں کے گیت زندگی کے جوش
مسترت کے پیامبر ہیں۔ زندگی اس لئے ہے کہ اسے چشمہ زندگی
کے آگے نذر کر دیا جائے۔ اس ہتھکڑی میں ہی زندگی کی اصلی
خوشی ہے۔)

(۶)

اس ننھے سے پھول کو توڑ کر لے لے۔ دیر نہ کر۔ ایسا نہ ہو کہ یہ مرجھا کر
خاک میں گر پڑے۔

ہو سکتا ہے کہ اسے تیرے ہاتھ میں جگہ نصیب نہ ہو، تو اسے اپنے ہاتھ
کے مس کے درد کی عزت بخش اور توڑ لے مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے باخبر
ہونے سے پہلے ہی دن ختم نہ ہو جائے۔ اور نذر کا وقت ہی گزر جائے
اگرچہ اس کا رنگ شوخ نہ ہو اور اس کی بو بھی دھیمی ہو۔ تو

اسے اپنی خدمت میں لگالے اور اسے توڑ لے۔ جبکہ ابھی وقت ہے۔
 (زندگی اُسے نذر کرنے اور اس کی خدمت میں لگانے کی ہے۔
 جس سے ظہور میں آتی ہے۔ اگر زندگی اپنے پستے کے روبرو خوشی
 خوشی بھینٹ کئے بغیر ہی گزر جاتی ہے۔ تو وہ محض بے قدر، بیسود
 اور بے معنی ہے۔ اسے نذر کرنے کا درد خودی کی عزت کی نسبت
 بدرجہا قیمتی ہے۔ اس تہذیب میں ایک پل کا التوا اچھا نہیں
 کیونکہ موت کا وقت مقرر نہیں۔ اگرچہ ہم بہت ترقی یافتہ نہ ہوں
 مگر خدمت میں صرف ہو جانے والی ہر ایک قسم زندگی مبارک اور
 سچیل ہو ا کرتی ہے۔)

(۷)
 میرے گانے نے اُس کی زیبائشات کو اتار ڈالا ہے۔ اُسے اپنی پوشا
 اور سجاوٹ کا کوئی فخر نہیں، زیورات ہمارے وصل میں مغل ہونگے۔ وہ
 تیرے اور میرے درمیان حائل ہونگے۔ اور اُن کی جھنکار میری سرگوشیوں
 کو دبا لگی۔
 تیرے سامنے میرا شعرا نہ غرور شرم کے مارے ٹوٹ جاتا ہے۔ آ
 ملک اشعرا! میں تیرے قدموں میں بیٹھا ہوں۔ مجھے نے کی بالنسری کی
 مانند سیدھا اور سادہ بنا دے۔ تاکہ یہ تیرے لٹنے سے بھرپور ہو
 سکے۔

پریم بھگتی کے روبرو بھگوان بھی اپنی شان اور عظمت کو ایک طرف رکھ دیتا ہے۔ صفات کا غرور و صل میں مغل و حائل ہوا کرتا ہے اور ایزدی صفات کا رعب و دل کے لطیف جذبات کو ابھرنے نہیں دیتا میں غرور صفات چھوڑ کر حصنوری کی اثر پذیر حالت میں بیٹھ کر یہی چاہتا ہوں کہ مجھ میں تیری زندگی اور خوشی اپنا گیت گایا کرے اور میرے وجود میں کوئی روکاوٹ یا پیچیدگی موجود نہ رہے

(۸)

جو بچہ لباسِ شامانہ سے مزین ہو کر گلے میں رتن مالا میں پہنے ہوئے ہے وہ کھیل کود کی ساری خوشی کھو بیٹھتا ہے۔ اس کا لباس قدم قدم پر اس کے لئے روکاوٹ ثابت ہوتا ہے۔

اس ڈر سے کہ یہ کہیں گھس کر تار تار یا گرد آلودہ نہ ہو جائے۔ وہ دنیا سے الگ تھلک رہ کر حرکت کرنے سے بھی ڈرا کرتا ہے۔

بالا تیرے سامان آرائش کی قید بے سود ہے۔ اگر یہ اسے زمین کی صحت بخش مٹی سے جدا رکھتی ہے۔ اور عام انسانی زندگی کی نمایاں عظیم میں داخل ہونے کے حق سے محروم کر دیتی ہے۔

دولت، عزت اور شہرت کی خود غرضانہ خواہشات ہمیں زندگی کل کے ساتھ اصل ہونے نہیں دیتیں۔ ہم کھلے دل سے، بلا جھجک انسانی میل جول نہیں رکھ سکتے۔ اور ان جھوٹی قیمتوں کے نقصان

کا ڈر ہمیں دنیا سے بھی الگ رکھ کر ہمیں قدرتی زندگی کے پُر مسرت کھیل
 سے روکے رکھتا ہے۔ ہم اندر سے اور خود بخود جی ہی نہیں سکتے۔ اور
 جس شخص کو اپنی صفات کا غرور ہے۔ وہ پر مائتا سے واصل ہونے
 کے لائق نہیں ہے۔

(۹)

اے مورکھ! تو اپنے تئیں اپنے ہی کندھوں پر اٹھانا چاہتا ہے۔ اے
 بھکمھاری! تو اپنے ہی دوار پر بھیک مانگ رہا ہے۔
 اپنے سارے بوجھ اُس کے ہاتھوں پر ڈال دے جو سب کا بوجھ اٹھا
 سکتا ہے۔ اور کبھی پچھتا تا ہوا پیچھے مڑ کر نہ دیکھ!
 تیری خواہش فوراً اس چراغ کو بجھا دیتی ہے جسے اس کا سانس چھو
 ہے۔ یہ ناپاک ہے۔ تو اس کے ناپاک ہاتھوں سے اپنے عطیات قبول نہ کر۔
 صرف وہی قبول کر جسے متبرک محبت پیش کرے۔

اس نظم میں الیشور کے روبرو اپنا آپ سپرد کرنے کی تعلیم دی گئی ہے
 خود اعتمادی اور ذمہ داری کی نہیں۔ زمانہ ماضی کی یاد سے پچھتا نے رہنے
 کی بجائے حال میں اپنا سارا بوجھ بھگوان پر ڈال دو۔ خودی کی خواہش
 دل کو روشن نہیں ہونے دیتی۔ خود غرضانہ خواہش کو دور کر کے
 بھگوان کے عطیات کو قبول کرو۔

(۱۰)

بتیری چوکی تو یہاں ہے مگر تیرے چرن وہیں نواس کرتے ہیں جہاں سب سے بڑھ کر غریب، ذلیل اور گئے گزرے لوگ رہتے ہیں۔

جب میں نہیں منسکار کرنے کی کوشش کرتا ہوں، تب میرا پر نام اُس گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا۔ جہاں تیرے چرن ہنایت ہی مفلس حقیر اور برباد لوگوں کے درمیان نواس کرتے ہیں۔

عزور کی وہاں تک کبھی رسائی نہیں ہو سکتی، جہاں تو عاجزانہ لباس پہنے ہوئے از حد غریب، ذلیل اور برباد لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے۔ میرا دل وہاں باریاب ہونے کی راہ نہیں پاتا۔ جہاں تو ہنایت ہی غریب حقیر اور گئے گزروں کے درمیان بے یار و غار لوگوں کا ساکتی ہوتا ہے۔

(اگر پر ماتا کی پوجا اور اُس کے ساتھ ملاپ درکار ہو۔ تب ہر ایک قسم کے عزور کو بالائے طاق رکھ کر انسانی سوسائٹی کے سب سے پچلے طبقے سے عقیدت و احترام کے ساتھ ملنا ہوگا۔ وہ محبت و رحم کل غریبوں کے درمیان بستتا ہے۔ وہ اسے سب سے بڑھ کر پسندیدہ ہیں۔ اور ان کے ساتھ ملاپ اور پیار، ایشور کی بھگتی اور لوگ کا سب سے بڑھ کر سیدھا اور قدرتی راستہ ہے)

(۱۱)

نغمہ سرائی۔ گانا اور مالا پھیرنا چھوڑ دے۔ تو مندر کے سب دروازے

بند کر کے اس کے تنہا اور تاریک کونے میں کس کی پرستش کر رہا ہے؟ آنکھیں
کھول کر دیکھ۔ تیرا بھگوان تیرے سامنے نہیں ہے!

وہ تو وہاں موجود ہے جہاں کسان سخت زمین میں ہل چلا رہا ہے۔ اور جہاں
سڑک بنانے والا پتھر کو ٹٹنے میں مصروف ہے۔ وہ دھوپ اور بارش میں اُن
کے ساتھ ہے اور اس کی پوشاک گرد آلود ہے۔ تو بھی اپنے مقدس چمے کو
اتار کر اُسی کی مانند خاکِ زمین کی طرف نیچے چلا آ۔

نجات (مکتی)؛ نجات کہاں مل سکتی ہے؟ ہمارے آقائے خود ہی حدود
آفرینش کو خوشی خوشی منظور کر رکھا ہے۔ وہ ہمیشہ کے لئے ہمارے ساتھ بند
رہا ہے۔

اپنے دھیان اور مراقبہ سے باہر آ کر اپنے پھولوں اور دھوپ بتی کو ایک
طرف رکھ دے۔ کیا ہرج ہے اگر تیرے کپڑے پھٹے پرانے اور داغدار ہوں؟
اُس سے مل۔ اور مشقت اور پسینہ سے تیرے ساتھ اس کے پاس
کھڑا ہو۔

ریشور زندگی کل اور عین محبت و ترحم ہے۔ اس لئے اس کا اصل
دھیان اور سجادھی کی اجاڑ میں نہیں، بلکہ زندگی کی ظہوری جدوجہد
میں ہی ہو سکتا ہے۔ اور زندگی وہاں ہے جہاں لوٹ کھسوٹ کی بجائے
عرق ریز محنت و مشقت پائی جاتی ہے۔ زندگی اور انسان سے دو
اور صاف سمجھ رہے ہیں کوئی پاکیزگی نہیں، بلکہ اس گرد و غبار
اور کثافت میں ہے جو محنت اور مزدوری کی خاک آلود دنیا میں پائی

جاتی ہے۔ گانا۔ مالا پھیرنا، جاپ کرنا اُن لوگوں کے کام نہیں، جو
ایشور کو انسانی زندگی کی جدوجہد میں رو برو دیکھنے کی نظر نہیں رکھتے۔

(۱۲)

وہ وقت جو میرے سفر میں خرچ ہوتا ہے، طویل ہے اور اس کا راستہ
بھی دراز ہے۔

میں روشنی کی پہلی شعاع کے رتھ پر آیا ہوں۔ اور میں بہت سی دنیاؤں
میں سے اپنا سفر طے کیا ہے اور کئی ستاروں اور سیاروں پر اپنا نشان چھوڑ
آیا ہوں۔

سب سے دور دراز کا راستہ ہی سب سے زیادہ تیرے نزدیک پہنچتا ہے
اور وہ تربیت نہایت ہی پیچیدہ ہے۔ جو غم کی قطعی سادگی کی طرف رہبری
کرتی ہے۔

مسافر کو اپنے گھرنک پہنچنے کے لئے دوسرے گھروں کے دروازے کھٹکھٹانے
پڑتے ہیں اور اُسے آخر کار نہایت ہی اندرونی مندر تک پہنچنے کے لئے تمام
بیرونی دنیاؤں میں سے گھوم کر آنا ہوتا ہے۔

میری آنکھیں دور دراز اور ادھر ادھر بھٹکتی پھرتی تھیں۔ پیشتر اس
کے کہ میں نے انہیں بند کیا اور کہا "تو یہیں موجود ہے"

میرے یہ سوال اور پکار کہ "اُف کہاں ہو؟" پچھل کر ہزاروں ندیوں
کے آنسوؤں میں بدل جاتے ہیں اور عالم میں "میں ہوں" کے یقین کا طوفان

برپا کر دیتے ہیں۔

(تلاش اور کھوج نہایت طویل اور پیچیدہ شے ہے۔ مگر یافت نہایت ہی نزدیک اور آسان ہے۔ جیسے ہم محیط کے پہلو پر ڈھونڈنا شروع کرتے ہیں۔ وہ سدا مرکز ہستی میں ہی موجود ہے۔ وہ منظور نہیں بلکہ ناظر ہے۔ باہر اس کا جلوہ ہے۔ اندر وہ خودیوں ہوں کا اعلان کر رہا ہے۔ اُسے کبھی پردیس میں نہیں بلکہ سدا گھر میں پایا جاتا ہے "میں ہوں" کی ہستی اور روشنی تمام دنیاؤں پر حاوی ہے۔ مگر ہر فنی تلاش کی حالت میں وہ نقطہ کی مانند ایک ہستی موبہوم معلوم ہوتی ہے۔ راستہ بے انداز طوالت اور پیچیدگی رکھتا ہے۔ حالانکہ طالب مطلوب۔ خالق و مخلوق۔ بندہ اور خدا میں فاصلہ تو کیا، فاصلے کے خیال کی گنجائش بھی نہیں ہے)

(۱۲۸)

میں جو گیت گانے آیا تھا، وہ آج تک نہیں گا سکا۔
میں نے اپنے ساز کی تاریں کسنے اور کھولنے میں ہی اپنے دن گزار دیئے ہیں۔

ابھی تک تال درست نہیں بیٹھا۔ الفاظ بھی موڑوں نہیں ہو سکے۔
بس میرے دل میں صرف تمنا کی کوفت ہی موجود ہے۔
کلی اب تک نہیں کھلی۔ صرف ہوا ہی پاس سے آہیں بھر رہی ہے۔

میں نے اُس کا چہرہ نہیں دیکھا۔ نہ ہی اسکی آواز سنی ہے۔ صرف اپنے مکان کے سامنے اس کے دھیمے قدموں کی آہٹ کو سنا ہے۔

سارا دن اُس کے بیٹھنے کے لئے فرش بچھانے میں ہی صرف ہو گیا۔ لیکن بقی روشن نہیں کی گئی۔ اور میں اُسے اپنے مکان میں بلا سکتا۔

میں اُسے ملنے کی آس میں جیتا ہوں۔ مگر وہ اب تک بلا نہیں۔

انسان کے اندر جو حقیقت اپنا اظہار چاہتی ہے وہ ابھی تک ظاہر نہیں ہو سکی۔ اس کے اظہار کے لئے ہی ہم طرح طرح کے تجربات زندگی سے گزر رہے۔ ہماری تمام کوششوں کا مقصد اصلی اُسی حقیقت کا اظہار ہے۔ سائنس اس غیر محدود سچائی کو۔ آرٹ اُس بے انداز خوبصورتی کو اور اخلاق اس لا انتہائی کی کو ظاہر نہیں کر سکے۔ وہ سدھ ہی اپنی کمی اور محدودیت کا اقرار کر رہے ہیں۔ ابھی تک اس حقیقت کے ظہورات ہی دیکھے گئے، میں۔ خود اس حقیقت کو کسی نے نہیں دیکھا۔

تمناؤں، آہوں اور تدبیروں میں ایک عمر صرف ہو چکی، مگر ابھی تک وہ گیان کا دیپک نہیں جل سکا۔ جس میں اُس پریم کا مکھڑا دیکھا جاسکے۔ تمام مذاہب بھی باوجود دعویٰ کے اس حقیقت کی شکل چھوٹوٹو سے زیادہ وقت نہیں رکھتے۔

(۱۴)

میری آرزوئیں بہت ہیں اور میری فریاد قابلِ رحم ہے۔ مگر تو ہمیشہ

ہی اپنے سنگد لاندہ انکاروں سے مجھے بچاتا چلا آیا ہے۔ اور یہ قوی رحم میرے
زندگی کے ہر جزو میں استعمال کیا گیا ہے۔

دن بدن تو مجھے اُن سادہ اور عظیم عطیات کا اہل بنا رہا ہے۔ جو تو نے
مجھے اُن مانگے دے رکھے ہیں۔ یہ آسمان اور یہ روشنی، یہ جسم، زندگی اور ذہن
اور اس طرح تو مجھے غیر معتدل خواہش کے خطروں سے محفوظ رکھتا ہے۔

ایسے اوقات بھی ہیں۔ جبکہ میں نڈھال ہو کر سماں کھوتا ہوں۔ اور
ایسے لمحات بھی ہیں، جبکہ میں بیدار ہو کر اپنے نشانے کی طرف دوڑنے لگ
جاتا ہوں۔ مگر تو ظالمانہ طریق پر مجھ سے اپنا آپ چھپائے رکھتا ہے۔

روز بروز تو گاہ بگاہ کے انکاروں کے ذریعے مجھے اپنی قبولیت کے لائق
بناتا ہوا۔ کمزور اور مذہب خواہش کے خطروں سے بچا رہا ہے۔

اگر ہماری تمام پرار تھنائیں قبول ہو جاتیں۔ تو ہمارا وہی حال
ہوتا۔ جو کہ ایک ناواں بچے کی ساری باتیں قبول ہوئے پر اس کا
ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنی اصلی بھلائی برائی کی خبر نہیں رکھتا۔ یہی حال
ہماری پرار تھناؤں اور دعاؤں کا ہے۔ اس لئے ایشور کی محبت
اور رحم زیادہ تر ہماری پرار تھناؤں کی منظوری میں نہیں۔ بلکہ اُن
کی عدم قبولیت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لئے گیانی بھگت پرار تھنا کی
نامنظوری میں بھی مسرور و شاد ادا رہتا ہے۔

ہماری ملاقات سے اُس کے انکارات ہمیں اُس کے دیدار
کے قابل بناتے ہیں۔ کیونکہ اگر پہلے ہی دیدار ہو جائے۔ تو ہماری

نشوونما نہ ہو سکیگی۔ نشوونما ہمیشہ محرومی کی حالت میں جدوجہد کرنے سے ہوا کرتی ہے۔ اور نشوونما کے بغیر ایشور کا درشن بھی ایسا ہی بے معنی ہوگا جیسے راک سے بے حس انسان کے لئے راک (

(۱۵)

میں یہاں فقط تیرے لئے گانا گانے کے لئے ہی ہوں۔ تیرے اس دربار میں مجھے ایک گوشہ میں جگہ مل گئی ہے۔

تیری دنیا میں میرے لئے کوئی کام کرنے کا نہیں۔ میری نکمئی زندگی بغیر کسی مقصد کے صرف لہجوں میں چلانے لگتی ہے۔

جب آدھی رات کے تاریک مندر میں تیری عبادت کا وقت آئے۔ اے میرے آقا! تو مجھے اپنے حضور میں کھڑے ہو کر گانے کا حکم دے۔

صبح کے وقت جب سنہری ستار کا سر ٹھیک ہو جائے۔ میری حاضری کا فرمان صا اور کر کے مجھے اعزاز بخش !

(زندگی کا مقصد کام کرنا نہیں یہ تو ایک جبری ضرورت ہے۔

اصلی مقصد ہے زندگی کی خوبصورتی کے احساس میں خوشی اور تحسین

کے گیت گانا۔ ہماری زمین اس وسیع کائنات میں ایک گوشے کی

مانند ہے۔ زندہ عبادت خاموشی کی شے نہیں بلکہ گانے (اظہار) کی

چیز ہے۔ خوشی اور محبت سکون کو نہیں جانتے۔ شفق وہ سنہری ستار

ہے۔ جو روح کو حقیقت (ایشور) کی طرف جگانے کا اثر رکھتی ہے)

(۱۴)

مجھے اس جشنِ عالم میں دعوت دی گئی ہے اور اس لئے میری زندگی مسرور
 ہے۔ میری آنکھوں نے دیکھا ہے اور میرے کانوں نے سنا ہے۔
 اس خوشی کے توفار میں میرا کام اپنا ساز بجانا تھا۔ اور جو کچھ میں کر سکتا
 تھا میں نے کر دیا ہے۔

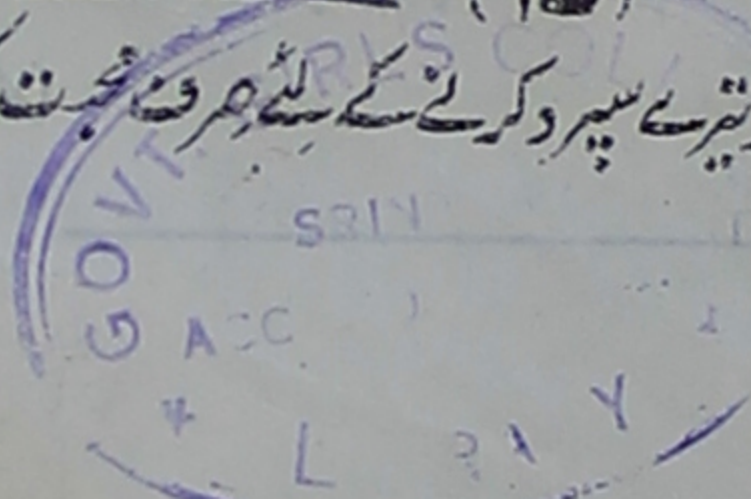
اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا آخر کار وہ وقت آ گیا ہے کہ میں اندر جا کر
 درشن کرتا ہوا تیرے آگے اپنی چپ چاپ منسکارت بھینٹ کروں ؟
 (زندگی سزا نہیں بلکہ ایک برکت اور عطیہ ہے۔ زندگی میں دیکھنے
 اور سننے کے تجربات نہایت ہی قابلِ قدر و مسرت بخش ہیں۔ ہمارا
 آنکھوں سے دیکھنا اور کانوں سے سن سنا ہی ایک بے بہا نعمت ہے
 زندگی کے معنی یہی ہیں کہ ہم اپنے وجود کی تمام طاقتوں کے استعمال سے
 سچائی، نیکی اور خوبصورتی کو ہر طرف پھیلایں۔ ہمارا جینا حقیقت کے
 اظہار کے لئے ہو، کسی شخصی مقصد کے لئے نہیں۔

اگر جینا اس جشنِ کما گیت ہے۔ تو موت اس صبحکوان کے لئے
 خاموش منسکار ہے۔ کیونکہ زندگی لینا، گانا اور حرکت ہے۔ اور
 موت دینا، خاموشی اور سکون ہے)

acc. no: 535

(۱۵)

میں اپنا آپ بالآخر تیرے سپرد کرنے کے لئے صرف محبت کی انتظار میں



ہوں۔ اس لئے اتنی تاخیر ہو چکی ہے۔ اور میں ایسی غفلت کا مجرم ہوں۔
وہ مجھے قوانین و قواعد کے ساتھ بڑی مضبوطی سے باندھنے آتے ہیں مگر
میں ہمیشہ انہیں ٹال دیتا ہوں۔ کیونکہ میں تو آخر کار اپنا آپ تجھے سونپنے کے
لئے فقط محبت کا منتظر ہوں۔

لوگ مجھ پر لا پرواہی کا الزام لگاتے ہیں۔ اور مجھے اس میں ذرا شک
نہیں کہ وہ اس الزام لگانے میں راستی پر نہیں۔
بازاری دن گزر چکا ہے اور مصروف لوگوں کا سارا کام ختم ہو گیا ہے۔
جو مجھے بلانے کی بے سود کوشش کرنے آئے تھے، غضبناک ہو کر واپس لوٹ
گئے ہیں۔ میں تو آخر کار اپنا آپ ارپن کرنے کے لئے پریم کی پریشاد انتظار کر
رہا ہوں۔

(اگر محبت اپنا آپ سونپنا نہ جلتے۔ تو وہ جسم بے جان کی مانند ایک
مردہ رسم ہے۔ محبت قوانین و قواعد یا پابندی فرض کی چیز نہیں
ہے۔ اہل رسم بحث و مباحثہ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر محبت اور چیز ہے اور
مسئلہ بازی اور رسم پرستی اور شے ہے۔ اسلئے دلیل بازی کے بجائے
مناظر لوگوں کو مال و مینا ہی اصل دانائی ہے۔ روحانی زندگی بازاری
سودا نہیں کہ مقررہ اوقات کے اندر کیا جاسکے۔ محبت ان قیود مکانی
و زمانی سے بالاتر ہے۔ پریم اپنا وقت، اپنا قانون، اپنی رسم آپ
ہی ہے)

(۱۸)

بادلوں پر بادل جمع ہونے سے تاریکی چھا رہی ہے۔ آہ! اے محبت۔ تو مجھے دروازے سے باہر تنہا کیوں منتظر رکھتی ہے؟
 دوپہر کے کام کے مصروف لمحات میں میں مجمع کے ساتھ ہوتا ہوں، مگر اس تنہا تاریک دن میں میں صرف تیرے لئے آس رکھتا ہوں۔
 اگر تو مجھے اپنا چہرہ نہ دکھلائے۔ اور اگر تو مجھے تنہا چھوڑ دے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ لمبی اور برساتی گھڑیاں کیسے کٹیں گی؟
 میں آسمان کی بعید تاریکی کی طرف برابر تکتا رہتا ہوں اور میرا دل بمقدار ہوا کے ساتھ گریہ وزاری کرتا پھرتا ہے۔
 (اس نظم میں صاف طور پر بے تاب محبت کے ناقابل برداشت درد کو بیان کیا گیا ہے)

(۱۹)

اگر تو نہیں بولیگا تب میں دل کو تیری خاموشی کے ساتھ بھرا لوں گا۔ اور خاموش رہ کر اس رات کی مانند منتظر رہوں گا۔ جو ستاروں کی شب بیداری کے ساتھ صبر سے اپنا سر جھکائے رہتی ہے۔
 صبح ضرور ہوگی۔ اندھیرا دور ہو جائے گا۔ اور تیری آواز آسمان کو چیرتی ہوئی سنہری دھاروں کے روپ نیچے کی طرف بہنے لگیگی۔
 تب تیرے الفاظ میرے پرندوں کے ہر گھولنے سے گیت بن کر اڑنے لگیں گے۔

اور تیرے نغمے میرے بنوں کے تمام کنجوں میں پھول بن کر پھوٹا نکلیں گے۔
 (اندرونی ہدایت حاصل کرنے کا طریقہ خاموشی میں صبر کے ساتھ
 منتظر رہنا ہے۔ اگر ہمارا من خاموش (بے خیال) ہو تو تب ہم اندرونی
 ہدایت کو سن ہی نہ سکیں گے، بے صبری اور غرور بھی اندرونی دھارا
 کو بہنے سے روک دیتے ہیں۔ خاموشی۔ صبر۔ انکساری اور انتظار کا
 ہونا ضروری ہے۔

یہ یقین ہونا چاہیے کہ روشنی نمودار ہوگی۔ اس یقین کے بغیر انتظار
 فضول ہے۔ جب اپنی رومی رواند سے جاری ہوگی۔ تب بنے بنائے
 الفاظ آنے لگ جائیں گے۔ خیالات پرواز کریں گے۔ اور دل میں
 خوشی اور خوبصورتی کی تازہ بہار آجائے گی)

(۱۲۵)

افسوس کہ جس روز کنول کھلا۔ میرا دل بھٹک رہا تھا۔ اور میں آگاہ نہ
 تھا۔ میری ٹوکری خالی تھی۔ اور پھولوں کی کسی نے پرواہ نہ کی۔
 صرف تھوڑے تھوڑے و تقول کے بعد تجھ پر حسرت طاری ہو جاتی تھی
 میں نیند سے جاگ اٹھا۔ اور میں نے جنونی ہوا میں عجیب خوشبو کا خوش گوار
 نشان محسوس کیا۔

اُس دھندلی سی مٹھاس نے میرے دل میں دروازہ زو پیدا کر دیا اور
 مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ اپنا کمال ڈھونڈنے والے موسم گرما کا پراشتیاق

سانس تھی۔
 تب مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ اس قدر قریب تھی کہ میری ہی تھی، اور یہ مکمل
 مٹھاس میرے اپنے دل کی گہرائی میں ہی شگفتہ ہوئی تھی۔
 (ہمارے اندر روشنی، خوشی اور خوبصورتی کی وقتاً فوقتاً اچانک
 رو میں پہنچ لگتی ہیں۔ اگر ہمارا دل غافل یا منتشر ہو۔ تب ہم راہ
 سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ جب غم غالب ہوتا ہے تب وہ دراصل
 ہماری روحانی بیماری کا پیش رو ہوتا ہے۔ اور ہم بیدار ہو کر روحانی
 سرور کی خوشبوئیں محسوس کیا کرتے ہیں۔ یہ اندرونی لذت آتش
 نسا کو بھڑکا کر ترپا کر دیتی ہے۔ اس حالت میں کوئی بیرونی شے
 ہمارے اندر داخل نہیں ہوتی۔ بلکہ ہمارے اپنے دل کی گہرائیوں
 سے نمودار ہوتی ہے۔)

(۱۲۱)

میں اپنی کشتی کو غرور چھوڑ دوں گا۔ کنارے پر ہی ماندگی کی حالت میں
 گھٹنے گزرے جاتے ہیں، حیف ہے مجھ پر۔
 موسم بہار کھل کر رخصت ہو چکا ہے۔ اور اب میں مرجھائے ہوئے ناکارہ
 پھولوں کا بوجھ سر پر اٹھائے ہوئے تاخیر کر رہا ہوں۔
 لہریں پر شور مچا رہی ہیں اور ساحل پر سایہ دار گلی میں پیلے پیلے پتے،
 سرسراہٹے ہوئے گر رہے ہیں۔

تم کس خلو کو تک رہے ہو! کیا تم اس کنارے سے بہتے ہوئے دُور کے
 نغمے کی راگینوں والی پھریری کو ہوا میں سے گزرتی ہوئی محسوس نہیں کرتے؟
 (جینے کا موقع اب ہے۔ اس میں تاخیر کرنا افسوسناک ہے۔ زندگی
 کی روئیں آکر حرکت اور بلبل پیدا کر رہی ہیں۔ یہ دنیا خالی سنسان
 اجاڑ نہیں ہے۔ اس کے پیچھے زندہ حقیقت موجود ہے۔ اور اس
 حقیقت سے جو کل زندگی، خوشی اور خوبصورتی کا چشمہ ہے۔ ہر دم
 روئیں آتی ہوئی جوش اور ہیجان پیدا کر رہی ہیں۔
 رحمتِ بے حد روانہ ہر زمانہ خفتہ ایدازِ درکِ آں اُمردماں
 ان روؤں کی تاک اور انتظار میں رہنا ہی رازِ زندگی ہے) (مثنوی شریف)

(۲۲)

برساتی جولائی کے گھنے سایوں میں۔ تو نگہبانوں کی نظروں سے بچ، رات
 کی مانند چپ چاپ چور قدموں سے بھرا کرتا ہے۔
 راجِ صبح نے پُرشور مشرقی ہوا کے پُراسرار بلاؤں سے بے پرواہ ہو کر اپنی
 آنکھیں بند کر لی ہیں۔ اور سدا جاگنے والے آکاش کے اوپر موٹا پردہ ڈال دیا
 گیا ہے۔

خجکلوں نے اپنی نغمہ سرائی بند کر دی ہے۔ اور سب گھروں کے دروازے
 بند ہو چکے ہیں۔ تو سونے بازار میں تن تہنا رہ رہے۔ اے میرے اکیلے دوست!
 سب سے اچھے دلبر! میرے گھر کے دوار کھلے ہیں۔ ایک خواب کی مانند ان کے

پاس سے مرت گزر جا۔

(وہ محبوب سدا ہمارے درمیان پھرتا ہے۔ مگر ہم چشم بنیا آورد
حساس نہیں رکھتے۔ جب رات کی تاریکی اور خاموشی چھا جاتی ہے
لوگ دروازے بند کر کے سو جاتے ہیں۔ جب سنان گلیوں میں
اور کوئی نہیں ہوتا۔ تب وہ محبوب ان میں چلا پھرا کرتا ہے۔ اور وہ
ملنے کا بہترین وقت ہے۔ صرف دل کا دروازہ کھلا رکھ کر منتظر رہنا
چاہیئے۔ ورنہ وہ پاس سے ہی گزر جائے گا۔)

(۲۳)

اے میرے دوست! کیا تو اس طوفانی رات میں محبت کا سفر کر رہا ہے؟
آسمان بڑا آدمی کی مانند گراہ رہا ہے۔
اے دوست! آج رات مجھے نیند نہیں آئی۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے
بعد میں دروازہ کھول کر اندھیرے کی طرف دیکھتا ہوں۔
مجھے اپنے سامنے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ میں حیران ہوں۔ کہ تیرا راستہ
ہے کہاں؟

اے میرے دوست! سیاہی کی مانند کالے دریائے کس کنارے پر سے
نیوڑی چڑھائے ہوئے جنگل کے کس سرے سے، اور تیرگی کی کس پیچیدہ گہرائی
میں سے تو میری طرف آنے کے لئے اپنا راستہ طے کر رہا ہے؟
طوفانی رات ہل چل اور تاریکی ظاہر کرتی ہے۔ اپنے جذبات،

آسمان کے کراہنے۔ دریا کی سیاہی جنگل کی تیوری اور تیرگی کی پھیدگی
میں عکس پذیر ہو کر دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ رات صبح و صبح سے
پہلے کی ہے۔ اور اس حالت میں سے گزرے بغیر کبھی کشف کا اُجالا
نہیں ہو سکتا۔

(۲۴۲)

اگر دن گزر چکا ہے۔ اگر پرندوں نے گانا بند کر دیا ہے۔ اگر ہوا خشک
کر کھڑ گئی ہے۔ تب گھنٹے اندھیرے کا پردہ اُسی طرح مجھ پر ڈال دے جس طرح
تو نے رات کو نیند کی چادر سے ڈھانپ دیا ہے۔ اور جس طرح شام کے وقت
تو نے مرجھائے ہوئے کنول کی پنکھڑیوں کو ملائمت کے ساتھ بند کر دیا ہے
اُس مسافر سے جس کا عقیدہ سفر ختم ہونے سے پہلے ہی خالی ہو گیا ہے۔
جس کا لباس پھٹا پرا نا اور گرد آلود ہے۔ اور جس کی طاقت ختم ہو چکی ہے۔
شرمندگی اور افلاس کو ہٹا دے۔ اور اپنی شفیق رات کے پردہ میں بھول
کی مانند اس کی زندگی کو تازہ کر دے۔

یہ پردہ نیند کا ہے جس میں تھکی ماندی زندگی از سر نو تازہ ہو جاتی
ہے۔ اس حالت میں اُس چشمہ زندگی سے ہی نئی طاقت اور تازگی ہوا
کرتی ہے۔ جاذب ہو کر خود کو سوتے وقت اس کے سپرد کر دینے
سے یقیناً ہم نئے اور تازہ ہو جاتے ہیں۔ الیٹور بھگت حالت خواب
کو بھی جاں فرما لوگ کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔

(۲۵)

تھکاوٹ کی رات میں مجھے تجھ پر اپنا بھروسہ رکھتے ہوئے سو جانے دے
 مجھے اس امر کی اجازت نہ دے کہ میں اپنی تھکی ماندی روح کو تیری ستیش
 کے لئے ناچیز تیاری کرنے پر مجبور کروں۔
 تو ہی دن کی در ماندہ آنکھوں پر رات کا پردہ تان کر بیداری کی تازہ تر
 خوشی میں اُس کی بینائی کو نیا کر دیتا ہے۔

اچھلی نظم والا مضمون ہی ہے۔ روحانی تجدید کار از ہماری کوشش
 میں نہیں۔ بلکہ بحالت سکون انجذاب میں ہے۔ روحانی زندگی میں اصل
 بات کچھ کرنے کی بجائے حالت قبولیت میں رہنا ہے۔ اور کہنے کی بجائے
 سُننا ہے۔ اسی طریق پر ہم نئی زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔

(۲۶)

وہ آیا اور میرے پہلو میں بیٹھ گیا۔ مگر میں سویا ہی رہا۔ اُف! یہ کیسی
 لعنتی نیند تھی۔ ہائے میری بد قسمتی!
 وہ آیا۔ جب کہ رات خاموش تھی۔ اُس کے ہاتھوں میں ستار تھی۔ اور
 میرے خوابات اس کے لہجوں سے گونجنے لگے۔
 افسوس! میری راتیں کیوں اس طرح اکارت چلی گئیں!
 اُف! کیوں میں اس کے دیدار سے سدا محروم رہتا ہوں، جبکہ اس کا
 سانس میری نیند کو چھو رہا ہے؟

”سوئی رہی پر بھہ خبر نہ جانی“ والی حالت بیان کی ہے۔ خاموش ساکن
 اور مجہول حالت میں وہی زندگی ہمارے اندر کام کیا کرتی ہے۔ اور
 ہمارے تحینلات کے جمال میں اسی کاراگ جھلک دکھلاتا ہے۔ بیخبری
 کی نیند میں ہم سدا اُس کے ساتھ واصل ہیں۔ مگر بیداری (باخبری)
 میں اُسے دیکھ نہیں پاتے

(۲۷)

روشنی۔ آہ روشنی کہاں ہے؟ تو اسے خواہش کی آتش سوزاں
 سے روشن کر۔

لہپ تو موجود ہے۔ مگر شعلے کی ٹمٹماہٹ کبھی دیکھنے میں نہیں آتی۔
 اے دل! ایسی تیری قسمت ہے! افسوس، تیرے لئے تو موت ہی بدرجہا
 بہتر تھی۔

مصیبت تیرا دروازہ کھٹکھٹا رہی ہے۔ اور اس کا پیام ہے کہ تیرا مالک
 جاگتا ہے۔ اور وہ رات کی تاریکی میں سے تجھے موعودہ ملاقاتِ محبت کے لئے
 بلا رہا ہے۔

آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ بارش لگاتار ہو رہی ہے۔ مجھے خبر
 نہیں کہ وہ کیا شے ہے۔ جو میرے اندر جوش و جنبش پیدا کر رہی ہے۔ میں
 اس کے معنی نہیں سمجھتا۔

بجلی کی ایک لمحہ بھر کی چمک میری نگاہ پر عمیق تر تاریکی ڈال دیتی ہے۔

اور میرا دل اُس راہ کو ٹٹولنے لگتا ہے جو اُس مقام کی طرف جاتی ہے۔ جہاں
رات کا لغمہ مجھے بلارہا ہے۔

روشنی! آہ روشنی کہاں ہے؛ اسے خواہش کی آتش سوزاں سے
روشن کر دے! رعد کڑکتی ہے۔ ہوا خلا میں سے چیخ رہی ہے۔ اور رات سنگ
سیاہ کی مانند کالی ہے۔ اندھیرے میں کہیں وقت گزر نہ جائے۔ اپنی زندگی
سے چراغِ محبت کو روشن کر دے!

(خواہش کی شدت سے ہی روشنی کا شعلہ نمودار ہو سکتا ہے۔ خواہش
ہی کل پر ارتھنا کی اصلی رُوح ہے۔ مصیبت ناخوشگوار ہوتی ہے۔ مگر
یہ ہمیں روحانی طور پر بیدار کرنے کے لئے آیا کرتی ہے۔ ہمیں بیقرار
کرنے والی وہی حقیقت ہے۔ جو لفظ و خیال کی گرفت میں نہیں آ
سکتی۔ عارضی جھلکیں مزید تاریکی پیدا کر کے بیقراری کو اور بھی
بڑھاتی ہیں۔ مقامِ ملاقات رات کے اندھیرے میں پایا جاتا ہے۔
عقلی شعور وہاں کام نہیں دے سکتا۔ زندگی کا تیل فقط شعلہ محبت
کی نموداری کے لئے ہے)

(۲۸)

پھندے بڑے پھیلے ہیں۔ مگر جب میں انہیں توڑنے لگتا ہوں۔ تب
دل میں درد محسوس ہونے لگتا ہے۔

میں صرف آزادی چاہتا ہوں، مگر اُس کا امیدوار ہونے میں مجھے

شرم آتی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ تجھ میں بے بہا دولت موجود ہے۔ اور تو میرا بہترین دوست ہے۔ مگر مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ اپنے کمرے کو اُن پھوکی نمائشات سے خالی کر دوں جن سے وہ پڑ ہے۔

جو چادر مجھے ڈھانکے ہوئے ہے۔ وہ دھوئی اور موت کی چادر ہے۔ مجھ اس سے نفرت ہے۔ مگر میں الفت کے مارے اسے لپٹائے ہوئے ہوں۔ میرے فرض بہت بڑے ہیں اور ناکامیاں عظیم۔ میری شرم پوشیدہ اور پوچھل ہے۔ لیکن جب میں اپنی بھلائی مانگنے آتا ہوں۔ میں اس دُور سے کانپا کرتا ہوں کہ کہیں میری پرار کتنا منظور نہ ہو جائے۔

اکثر اوقات ہماری امنگیں اور آرزوئیں بہت اعلیٰ ہوتی ہیں مگر ہم اُن پر عمل کرنے سے جھجکتے ہیں۔ ان کے خلاف ہماری ادنیٰ فطرت کے اندر ہی روکاؤ میں موجود ہوتی ہیں۔ ہمارے جمادی، نباتی اور حیوانی میلانات ہماری فطرت کے اجزا بن چکے ہیں۔ اس نظم میں انسانی نیچر کا پیچیدہ اور اجتماعِ ہندین ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔

(۲۹)

میں جسے اپنے نام سے گھیرے ہوئے ہوں۔ وہ اس قید خانہ میں رورہا ہے۔ میں چاروں طرف اس دیوار کی تعمیر میں سدا مصروف ہوں۔ اور جوں جوں یہ دیوار آسمان کی طرف بلند ہوتی ہے۔ دن بدن میری اصلی ہستی اس کے

سائے میں پھپھتی چلی جاتی ہے۔

میں اس عظیم دیوار پر ناز کرتا ہوا مٹی اور ریت سے اس پر پوچھا پھیرا کرتا ہوں۔ کہ اس نام میں کہیں چھوٹا سا رخسہ بھی نہ رہ جائے۔ مگر اس ساری خبر داری کے بدلے میں اپنی حقیقی ہستی کا مشاہدہ کھو رہا ہوں۔

ناموری اور شہرت رُلانے والی قید ہوتے ہیں۔ یہ دیوار شہرت و عزت جس قدر بلند ہو کر انسان کو دوسروں سے الگ کرتی ہے اُسی قدر ہی وہ حقیقی ہستی کے عرفان سے محروم ہوتا چلا جاتا ہے۔ اپنی شہرت و ناموری قائم رکھنے کی تمام کوشش ہمیں اپنی اس اصل ہستی کے احساس سے دور ہی دُور لے جاتی ہے۔ جس میں ہم کل موجودات کے ساتھ ایک ہیں (

(۱۰۰)

میں اپنی موعودہ ملاقات کے مقام پر اکیلا چلا آیا ہوں۔ مگر یہ کون ہے، جو خاموش تاریکی میں میرے پیچھے چلا آتا ہے۔ میں اُس سے بچنے کے لئے ایک طرف ہو جاتا ہوں۔ لیکن اُس سے بچ نہیں سکتا۔ وہ اپنی خود پسندانہ چال سے زمین سے دھولی اُڑاتا ہے۔ اور میرے ہر لفظ پر جو میں بولتا ہوں۔ اپنی بلند آواز ایزاد کر دیتا ہے۔

وہ میری اپنی ہی چھوٹی سی خودی ہے۔ وہ شرم کو جانتی ہی نہیں۔ مگر میں اُسے اپنے ساتھ لے کر تیرے دروازے پر آئے ہیں شرم محسوس کر رہا ہوں۔

دینہ زندگی پر ماتما کے ساتھ وصل کرنے کے لئے ہے۔ اور وعدہ دیدار
و وصل ہو چکا ہے۔ لیکن ہماری اپنی خودی اس میں مغل ہو رہی ہے۔
اس کے خود غرضانہ خیالات اور جداگانہ خواہشات و مصلوں کی مانند
ہماری بصیرت پر پردہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے مطالبات اور
دعوے ہمیں ہماری پرارتھناؤں کے خلاف آواز اٹھایا کرتے ہیں۔
مثلاً بھگت کہتا ہے۔ اے پر مجھو! سب کچھ تیرا ہے۔ تیری اچھا
پورن ہو۔ تب خودی جھٹ کہنے لگتی ہے۔ "سب کچھ میرا ہوا اور میری
(اچھا پورن ہو۔)

(۳۱)

اے قیدی! بتلا تو سہی۔ کس نے تمہیں قید کیا؟
"میرے آقا نے"۔ قیدی نے جواب دیا۔ "میں نے خیال کیا کہ میں دنیا
کے اندر دولت اور طاقت میں سب سے باری لے جاؤں گا۔ اور میں نے وہ
روپیہ جو میرے بادشاہ کا تھا۔ اپنے خزانے میں جمع کر لیا۔ جب نیند چھوڑی
ہوئی تو میں اپنے مالک کے بستر پر سو گیا۔ اور جاگنے پر میں نے خود کو اپنے ہی
خزانے کا قیدی پایا۔"

"اے قیدی! بتلا تیری یہ ناقابل شکست زنجیر کس نے تیار کی تھی؟"
"میں نے خود ہی"۔ قیدی نے کہا۔ "بڑی احتیاط کے ساتھ یہ زنجیر تیار کی
تھی، میں نے گمان کیا تھا کہ میری ناقابل تسخیر طاقت دنیا کو اسیر کر کے، مجھے

بے خلل حالت میں آزاد رہنے دی گئی۔ اس طرح میں اپنی زنجیر کو دن رات بہت بڑی بھٹیوں اور سنگد لانہ سخت چوٹوں سے تیار کرتا رہا۔ لیکن جب کام آخر کار تکمیل کو پہنچا۔ اور کڑیاں مکمل اور ناقابل شکست ہو گئیں۔ تب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے ہی اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھتی۔“

(خودی ان چیزوں پر جو زندگی کل پر ماتھا) سے تعلق رکھتی ہیں اور وہیں پر برتری حاصل کرنے کے لئے قبضہ کرتی ہوئی اس سچے پر بھو کی جگہ لے کر خواب غفلت میں سو جاتی ہے۔ لیکن جاگئے (عرفان حاصل ہونے) پر پتہ لگتا ہے کہ دوسروں پر غلبہ اور برتری کی طاقت اپنے لئے ہی قید بن گئی ہے۔

اسی طرح دوسروں پر حکومت کا خواہش مند خود اپنی زنجیر حکومت کا قیدی ہو جاتا ہے۔ آزادی بے خودی میں ہے۔ قبضہ اور حکومت خود ہمیں قید کر کے ناقابل شکست زنجیروں میں جکڑ دیتے ہیں)

(۳۲)

جو لوگ اس دنیا میں میرے ساتھ پیار کرتے ہیں۔ وہ ہر ایک ذریعے سے مجھے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر تیری وہ محبت جو ان کی محبت کی نسبت بہت بڑی ہے مختلف طریقہ رکھتی ہے۔ تو مجھے آزاد رکھنا چاہتا ہے۔ مجھے اس دُور سے کہہیں کہ میں بھول نہ جاؤں۔ مجھے کبھی اکیلا چھوڑنے کی جرات نہیں کرتے۔ مگر دن کے بعد دن گزرتے جاتے ہیں۔ اور تو دیکھا ہی

نہیں گیا۔

اگر میں تجھے اپنی پرارتھناؤں میں نہ بلاؤں۔ اگر میں اپنے دل میں تجھے یاد نہ رکھوں۔ تیری محبت کبھی میری محبت کی منتظر رہتی ہے۔

پرمانہ کی خالص اور آزاد محبت اور رشتہ داروں اور لوگوں کی خود غرضانہ اور مقید الفت میں فرق دکھلایا گیا ہے۔ ایک آزاد رکھنا چاہتی ہے۔

اور دوسری باندھتی ہے۔ باندھنے والے خود بھی بندھے رہتے ہیں مگر پرمانہ کسی کو باندھتا ہے۔ اور نہ کسی سے بندھتا ہے۔ اہل دنیا کی محبت ہمارے سلوک پر منحصر ہوتی ہے۔ مگر پرمانہ کی محبت مطلقہ میں کبھی فرق نہیں آسکتا۔ خواہ ہمارا رویہ کچھ ہی ہو)

(۳۳)

جب دن بوقت وہ میرے مکان میں آکر کہنے لگے۔ "ہم یہاں صرف چھوٹے سے چھوٹا کمرہ لیں گے۔"

انہوں نے کہا۔ "ہم ایشور پوجا میں تیرے معاون ہو کر انکسار کے ساتھ اس کی کرپا کا صرف اپنا حصہ ہی لیں گے۔" اس کے بعد گوشہ میں جگہ لے کر چپ چاپ بڑی عاجزی کے ساتھ بیٹھ گئے۔

لیکن رات کی تاریکی میں میں دیکھتا ہوں کہ وہ میرے پوتر مندر میں زور و شور کے ساتھ گھس کر ناپاک حصے کے ساتھ پرمانہ کی ویدی پر بھینٹ ہوئے چڑھاؤں پر جھپٹے مارنے لگے ہیں۔

(ہندوستان کی سیاسی و تاریخی حالت کی طرف اشارہ ہے)

(۳۴)

میرے وجود کا صرف اتنا جزو قلیل ہی باقی رہ جائے کہ جس کے ذریعے
میں تجھے اپنا سب کچھ کہہ سکوں۔

میرے ارادے کا صرف اتنا جزو قلیل ہی رہ جائے جس کے ذریعے میں
تجھے اپنے ہر پہلو پر محسوس کرتا ہوا ہر شے میں تجھے ہی پاؤں اور ہر لمحہ اپنی محبت
تیری نذر کر سکوں۔

میری صرف اسی قدر ہستی قلیل رہ جائے جس سے میں تجھے کبھی چھپا نہ
سکوں۔

میری زنجیروں کا صرف اتنا ہی جزو قلیل باقی رہ جائے جس کے ذریعے میں
تیری رضا سے بندھ رہا ہوں۔ اور میری زندگی میں تیری اچھا پوری ہو رہی ہے
اور یہ بندھن تیری محبت کا ہے۔

(سارا وجود۔ سارا ارادہ۔ ساری محبت۔ سارے تعلقات صرف
اُس پر مبنی ملتے ملانے کے وسائل ہوں۔ اور ہمارا جو جزو وجود،
ہماری جو خواہشات و میلانات اس سے جدا کرنے والے ہیں، بہتر
ہے کہ وہ نہ رہیں۔ زندگی اسی قدر ہو جو تجھے ظاہر کرتی ہو۔ تیرا حکم
بجالاتی ہو۔ صرف تجھ سے تعلق قائم کرتی ہو)

جہاں دل کو خوف نہیں ہے۔ اور سر اُونچا ہے۔

جہاں علم مفت دیا جاتا ہے۔

جہاں دنیا کو تنگ خانگی دیواروں کے ذریعے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا گیا۔

جہاں سچائی کی گہرائی سے الفاظ نکلتے ہیں۔

جہاں انتھاک کو شش کمال کی طرف اپنے بازو پھیلائے ہوئے ہے۔

جہاں عقل کی صاف ندی مردہ عادت کی ریت کے بھیانک صحرا میں اپنا

راستہ نہیں کھو بیٹھی۔

جہاں تو ذہن کو دامنِ وسعت پذیر خیال اور عمل کی طرف لئے جا رہا ہے۔

اے میرے پتا! آزادی کے اس بہشت میں میرا ملک جاگ اٹھے۔

ریسکی پرارتھنا ہے۔ وہی ملک بہترین ہے جس میں خوف اور ذلت

نہ پائے جاتے ہوں۔ جہاں تسلیم سب کے لئے مفت ہو۔ جہاں فرقہ

دارانہ تفرقات موجود نہ ہوں۔ جہاں لوگ مخلص ہوں۔ جہاں سب

کوششوں کا نشانہ کمال ہو۔ اور اس کے لئے پُراشتیاق سرگرمی

ہو۔ جہاں عقل عادت کی غلام نہیں اور جہاں سوچ بچار اور عمل پر

کوئی حد نہیں لگائی جاتی۔ ایسا ملک ہی صحیح معنوں میں آزاد ہے۔

میرے پرکھو، تیرے آگے میری ہی پرارتھنا ہے۔

میرے دل سے افلاس و محتاجی کی جڑ اکھاڑ دے۔

مجھے وہ طاقت دے کہ میں اپنے سکھ و دکھ کو آسانی سے برداشت کر سکوں۔

مجھے وہ شکتی دے کہ اپنی محبت کو (تیری) خدمت میں پھیل کر سکوں۔

مجھے وہ قوت دے کہ میں کبھی غریبوں سے نہ وگردانی نہ کروں۔ اور نہ کسی

مغرور طاقت کے روبرو اپنے گھٹنے جھکاؤں۔

مجھے ایسا بل دے کہ اپنے من کو روزمرہ کے خفیف معاملات سے اوپر

اٹھا سکوں۔

اور مجھے وہ طاقت دے۔ کہ جسکی بدولت اپنی طاقت کو محبت کے ساتھ

تیری مرضی کی نذر کر سکوں۔

(یہ پیرا تھنا نمونے کی ہے۔ محتاج اور مفلس دلوں کی ضعیفانہ پیرا تھنا بالکل

اس کے الٹ ہوتی ہے۔ یہاں دولت مانگنے کی بجائے احساسِ افلاس

کو اڑانے کی التجا کی ہے۔ دکھ سے ڈر کر سکھ مانگنے کی بجائے دونوں

کو مردانہ طریق پر پہننے کی طاقت مانگی گئی ہے۔ غریبوں کو دبانے کی

طاقت نہیں بلکہ ان کے ساتھ وفادار اور مغرور حکام کے آگے سیدھا

کھڑا ہونے کی طاقت طلب کی ہے۔ دنیا میں ترقی اور کامیابی کے لئے

نہیں بلکہ دنیا میں رہ کر اصول کے لئے جینے اور اپنی طاقت کو بیغرضانہ

خدمت میں استعمال کرنے کی توفیق مانگی گئی ہے۔)

(۳۷)

میں نے خیال کیا تھا کہ میرا راستہ، میرا سفر، میری قوت کی آخری حد پر پہنچ گیا ہے۔ اور میرے سامنے راستہ بند ہے۔ میری اشیائے خورد و نوش ختم ہو چکی ہیں اور وقت آگیا ہے کہ میں خاموش گمنامی میں پناہ گزیر ہو جاؤں۔ مگر میں دیکھتا ہوں۔ میرے اندر تیری مرضی کی کوئی انتہا نہیں۔ جب پرانے الفاظ زبان پر مڑو ہو جکتے ہیں۔ تب دل سے نئے لہجے نکلنے لگتے ہیں۔ اور جہاں پر روشیں اپنے نشانات کھو بیٹھتی ہیں۔ وہاں ایک نیا ملک اپنے عجائبات کے ساتھ نمودار ہو جاتا ہے۔

(زندگی نہ صرف غیر فانی ہے بلکہ سدائی سے نئی صورتوں اور خوشیوں میں ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے۔ اس کی کوئی کبھی اور کہیں حد نہیں کیونکہ اس کا چشمہ غیر محدود ہے)

(۳۸)

یہ بات کہ میں تجھے چاہتا ہوں اور صرف تجھے ہی۔ میرے دل کو ہمیشہ کے لئے بار بار دہرانے دے۔ وہ تمام خواہشات جو مجھے دن رات پریشان رکھتی ہیں جھوٹی اور بالکل بے مغز ہیں۔

جس طرح رات اپنی تاریکی میں روشنی کے لئے درخواست کو چھپائے رکھتی ہے۔ اس طرح میری لاشعوری کی گہرائی میں ہی فریاد گونج رہی ہے۔ کہ میں تجھے اور فقط تجھے چاہتا ہوں۔

جس طرح طوفان اپنے سارے زور کے ساتھ امن (شانتی) کے خلاف ٹکڑے
 لگا کر آخر کار امن میں ہی اپنی نہایت تلاش کرتا ہے۔ اس طرح میری بغاوت تیرے
 محبت کے خلاف ٹکڑے لگاتی ہوئی بھی یہی فریاد کر رہی ہے۔ کہ میں تجھے چاہتا
 ہوں اور صرف تجھے ہی۔

انسان اگر ایشور سے منکر یا اُس سے باغی ہوتا ہے۔ تو صرف
 اپنے شعوری اور سطحی ذہن میں۔ اپنے وجود کی گہرائی میں وہ کبھی اپنی اصل
 کا مخالف نہیں ہوتا۔ انکار۔ سرکشی۔ بغاوت صرف سطحی ذہن پر دیکھے
 جاتے ہیں بہستی اور زندگی میں کبھی ہم ایشور کے خلاف یا اُس سے منکر
 نہیں ہو سکتے۔ بے خبری میں ہم سب اُسے اور صرف اُسے ہی تلاش
 کر رہے ہیں)

(۳۹)

جب کہ میرا دل سخت اور خشک ہو گیا ہو۔ تو اپنی رحمت برساتا ہوا میرے
 پاس آ۔

جب زندگی میں حسن و لطافت نہ رہے۔ تب تو بھڑکتا ہوا گیت بن
 کر آ۔

جب پر آشوب کام ہر طرف اپنا شور بلند کرتا ہوا مجھے اُس طرف سے مسدود
 کر دے۔ اے میرے مالک خاموشی! تو اپنے امن و قرار کے ساتھ آ۔
 جب میرا بھکاری دل کو نے میں دیک کر بند ہو رہا ہو۔

اے میرے بادشاہ ! تو دروازہ توڑ کر شاہانہ آداب و رسوم کے ساتھ آ۔
جب خواہش میرے من کو دھوکے اور دھول سے اندھا کر دے۔
اے پاک اور سدا جاگنے والے مالک ! تو اپنی روشنی اور کرٹک کیساتھ

۲۔

(اس نظم میں دل کی سختی و خشکی میں اسکی رحمت۔ زندگی کے بے حسن
و لطافت ہونے میں اُمس کے بھڑکتے ہوئے گیت۔ کاموں کے شور و
غل میں اس کی شانتی اور سمہرتا۔ کمزوری اور دباؤ میں اس کی شیا
شاہانہ اور وہم اور جہالت کے اندھیرے اور نیند میں اسی کی روشنی
اور جگانے والی کرٹک کے لئے پرارتھنا کی گئی ہے)

(۴۰)

اے میرے پر بھو ! مدتیں گزر چکیں۔ میرے خشک دل میں بارش نہیں
ہوئی۔ اُفق تندی کے ساتھ عریاں ہو رہا ہے۔ بادل کی پتلی سے پتلی چادر بھی
نہیں۔ دُور دراز کی ٹھنڈی بارش کا دھندلے سے دھندلا اشارہ تک
بھی نہیں ملتا۔

اگر تیری موج ہو۔ تو موت کی مانند اپنا سیاہ فام غصیل طوفان بھیج دے۔
اور بجلی کے چابک لگا لگا کر آسمان کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک
چونکا دے۔

مگر اے میرے مالک ! اس نفوذ پذیر، خاموش، ساکن سخت اور ظالم

گرمی کو جو دل کو بھیانک مایوسی سے جھلس رہی ہے۔ واپس بلا لے۔ واپس بلا لے۔

باپ کے غضبناک ہونے پر ماں کی آنسو بھری نگاہ کی مانند تو اوپر سے اپنی رحمت کے بادل کو نیچے کی طرف جھکنے دے۔
 (دل کی خشکی۔ مایوسی اور غفلت کسی طرح پر منظور نہیں۔ اسکی نسبت جگانے والا نہایت خوفناک طوفان اور مصیبت ہی منظور ہے۔
 بیداری نیند کی نسبت بدرجہا بہتر ہے۔ اگرچہ وہ رنج و الم سے پُر ہو۔ آخر وہ زندگی تو ہے۔)

(۴۱)

اے میرے پریمی! تو کہاں ان سب کے پیچھے سایہ میں چھپ کر کھڑا ہے؟
 وہ غبار آلود سڑک پر تیری ذرا پرواہ نہ کرتے ہوئے کچھے دھکیلنے ہوئے تیرے پاس سے گزر رہے ہیں۔ میں یہاں اکتاہٹ بھرے طویل گھنٹوں سے تیرے نئے اپنی نذریں پھیلانے ہوئے ہوں۔ جبکہ پاس سے گزرنے والے لوگ آتے ہیں۔ اور میرے پھولوں کو ایک ایک کر کے اٹھاتے چلے جا رہے ہیں۔ میری ٹوکری تقریباً خالی ہو چلی ہے۔

صبح اور دوپہر کے اوقات گزر چکے ہیں۔ شام کے سایہ میں میری آنکھیں نیند سے اُونگھ رہی ہیں۔ گھروں کو جاتے ہوئے لوگ مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے مجھے شرمسار کر رہے ہیں۔ میں ایک بھکارن کی طرح بیٹھی ہوئی اپنا دامن اپنے

چہرے پر ڈالے ہوئے ہوں اور جب وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ مجھے کیا چاہیئے۔
تب میں آنکھیں نیچے جھکا کر کوئی جواب نہیں دیتی۔

اُف! بھلا میں کیسے بتلا دوں کہ میں تیری انتظار کر رہی ہوں۔ اور تو
نے آنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ میں شرم کے مارے کس طرح کہہ دوں کہ صرف
میری ناداری ہی میرا جہیز ہے۔ آہ! میں اپنے نہاں خانہ دل میں اس فخر
کو چھپاتی سے لگائے ہوئے ہوں۔

میں گھاس پر بیٹھ کر آسمان کی طرف تکتی ہوئی تیری آمد کی ناگہانی شان
کا یہ خواب لیتی ہوں۔

تمام روشنیاں جگمگا رہی ہیں۔ اُردتیرے رتھ کے اوپر سنہری پرچم لہرا
رہے ہیں۔ اور وہ لوگ حیرت کی مورت بن کر باہر کھڑے ہیں۔ جب کہ وہ دیکھتے
ہیں کہ تو اس پھٹے پرانے کپڑوں والی نسیم گرما میں بیل کی مانند، شرم اور فخر
سے تھرتاتی ہوئی بھٹکارن لڑکی کو خاک سے اٹھا کر اپنے پاس بٹھلانے کیلئے
رکھتے اتر رہا ہے۔

لیکن وقت گزرتا چلا جاتا ہے۔ اور اب تک رتھ کے پیہوں کی آواز سنائی
نہیں دی۔ پاس سے کئی جلوس، شور، نعروں اور سحر شان و شوکت کے ساتھ
گزرے جا رہے ہیں۔ کیا صرف تو ہی ہے جو اُن کے سب کے پیچھے سایہ میں چھپ
کر کھڑا ہے۔ اور کیا صرف میں ہی ہوں۔ جو انتظار کرتی ہوئی فضول تمنا میں اپنے
دل کو خستہ و خراب کر رہی ہوں؟

اوہ عین محبت و آزادی ہے۔ کسی کو عبادت کے لئے مجبور نہیں کرتا۔

وہ سہ کے پیچھے چھپ کر رہتا ہے۔ اپنی طاقت کا اظہار نہیں کرتا۔ اس لئے
لوگ اسکی پرواہ نہیں کرتے۔ ہاں جو اپنی ناداری کو ہی اپنی دولت جان
کر اس کی حمت کا منتظر ہوتا ہے۔ اور دل میں انکسار رکھتا ہے، اسے
ملنے کے لئے شاہنشاہ کائنات خود اس کے پاس آکر اسے خاک
(دولت) سے اٹھا کر اپنے برابر جگہ دیتا ہے)

(۴۲)

صبح سویرے ہی کسی نے یہ بات کان میں کہہ دی تھی کہ آج ہم کشتی پر
سوار ہو کر چلیں گے۔ صرف میں اور تو۔ اور دنیا کی کوئی رُوح بھی کبھی ہماری
اس یا ترا کو نہ جان سکے گی۔ جو کسی دیں یا کسی مقصود کی طرف نہیں ہے۔
اس بھر بے کنار میں تیری خاموش اور کان لگا کر سننے والی مسکراہٹ
کو دیکھ کر میرے گہینے غموں کی صورت میں لہروں کی مانند لفظوں کی تمام قیود
سے آزاد ہو کر پھیلتے لگتے ہیں۔

کیا ابھی وقت نہیں آیا؟ کیا ابھی اور کام کرنے باقی ہیں؟ ایلو! شام
ساحل پر آ پہنچی ہے اور ماند پڑتی ہوئی روشنی میں بحری پرندے اپنے گھونسلوں
کی نرٹ اڑتے ہوئے آتے ہیں۔

کون بانٹا ہے۔ کب زنجیریں دور ہونگی۔ اور کشتی غروب آفتاب کی آخری
جھلک کی مانند رات میں غائب ہو جائے گی؟
وہ جب ہم اس زندگی سے سفر کرینگے۔ تب صرف رُوح ہوگی اور اس کا

ابدی محب۔ اس یا ترا کی کوئی منزل مقصود نہیں۔ کیونکہ زندگی لا انتہا ہے۔ لیکن اس کا بھٹراؤ نہیں ہے۔ موت کے بعد رات کی مانند اندھیرا سا معلوم ہوتا ہے۔ اس تاریکی میں ہماری ہستی کی کشتی جسمانیّت سے آزاد ہو کر ہماری نظروں سے غائب ہو جائیگی۔ اس نظم میں موت کے لئے اشتیاق ظاہر کیا گیا ہے)

(۴۳)

ایک دن تھا کہ میں اپنے تئیں تیار نہ رکھتا تھا۔ اے میرے بادشاہ ! تو نے عام جھگڑے کے لوگوں کی مانند بنا پوچھے۔ بنا جان پہچان کے میرے دل کے اندر گھس کر میری زندگی کے کئی عارضی لمحات پر ابدیت کی ہمرنگا دی۔ اور آج جب میں نے اتفاقاً ان پر روشنی ڈال کر تیرے دستخط کو دیکھا تب معلوم ہوا کہ وہ لمحات میرے نکمے اور بھولے ہوئے دنوں کی خوشیوں، اور غموں کی یاد کے ساتھ خاک میں بکھرے پڑے ہیں۔

تو نے میرے دھول میں بچکانہ کھیل کو دیکھ کر حقارت سے منہ نہیں پھیرا۔ اور تیرے قدموں کی جو آہٹ میں نے اپنے کھیل گھر میں سُن پائی تھی وہی ہے جو ایک ستارے سے دوسرے ستارے تک گونج رہی ہے۔ سچائی، نیکی یا خوبصورتی کی ہر لگنے پر عارضی واقعات بھی ابدی پائدار حاصل کر لیتے ہیں جن زندگیوں میں اس کی جھلک پائی گئی ہے۔ وہ امر ہو گئی ہیں۔ اور یہ چیز زندگی کے بڑے شاندار کاموں میں نہیں بلکہ نہایت

معمولی باتوں میں بھی دیکھی جاتی ہے۔ یہاں مقدار کا سوال ہی نہیں ہے۔ جو
زندگی بچے کی کھیل کود میں نمایاں ہو رہی ہے۔ وہی ستاروں کی حرکات
میں بھی اپنا اظہار کر رہی ہے۔ اس زندگی کے چھوٹے پر ایک لمحہ بھی ابدیت
میں بدل جاتا ہے)

(۴۴)

میری خوشی اس میں ہے۔ کہ اس طرح تیری انتظار کرتی ہوئی اس لب
سڑک کو تکتی رہا کروں کہ جہاں سایہ روشنی کا تعاقب کرتا ہے۔ اور بارش موسم
گرمی کے پیچھے پیچھے آتی ہے۔

نامعلوم آسمانوں سے پیامبر خبریں لا کر مجھے مبارکباد دیتے ہوئے سڑک
پر چل دیتے ہیں۔ میں دل ہی دل میں خوش ہوتی ہوں اور مجھے چلتی ہوئی نسیم کا
جھونکا پیارا لگتا ہے۔

صبح سے لے کر شام تک میں اپنے دروازے کے سامنے بیٹھی رہتی ہوں۔
اور میں جانتی ہوں کہ اچانک وہ سہاونی گھڑی آجائے گی جب میں درشن
پاؤں گی۔

اس دوران میں میں تنہا مسکراتی اور ہنستی ہوں۔ اور اس اثنا میں
ہوا خوشبوئے پیمان سے لبریز ہونے لگتی ہے۔

جس طرح موسم گرمی کے بعد بارش اور روشنی کے پیچھے سایہ آتا ہے۔
اسی طرح ہجر کے بعد وصل میسر آتا ہے۔ عاشق کا کام انتظار کرنا اور

تکتے رہنا ہے۔ اچانک وہ مبارک گھڑی آتی ہے۔ جب کہ درشن ہو جاتے
ہیں۔ اس نظم کی گود و نانک کے اس شبد کے ساتھ عجیب مشابہت پائی
جاتی ہے۔ توں گھر آسجناں میں دیکھاں درشن تیرا !!
آپنٹے گرہ کھلی میں نکاں میں من چاؤ گھنیرا

(۴۵)

کیا تم نے اُس کے خاموش قدموں کی آہٹ نہیں سنی؟ وہ آتا ہے۔ آتا ہے۔
اور سدا آتا ہے۔

ہر آن اور ہر زمانہ میں۔ ہر دن اور ہر رات وہ آتا ہے۔ اور سدا آتا ہے۔
میں نے من کی مختلف حالتوں میں کسی گیت گلے میں۔ مگر ان گیتوں کے
تمام نغمہ جات ہمیشہ یہی اعلان کرتے چلے آئے ہیں۔ وہ آتا ہے۔ آتا ہے اور
سدا آتا ہے۔

جاں فزا اپریل کے خوشبودار ایام میں بن کی راہ سے وہ آتا ہے۔ آتا ہے
اور سدا آتا ہے۔

جولائی کی راتوں کی برساتی تاریکی میں بادلوں کے گرجتے ہوئے رتھ پر وہ آتا
ہے۔ آتا ہے اور سدا آتا ہے۔

غم کے بعد غم میں یہ اُس کے قدم ہی ہیں جو میرے دل کو روند اکر لے گئے ہیں
اور یہ اُس کے قدموں کا سنہری مس ہے۔ جو میری خوشی کو چمکیلا بناتا ہے۔
اُس آفتاب زندگی سے ہر وقت، ہر حالت میں، ہر جگہ سکھ میں۔

دکھ میں روئیں آرہی ہیں۔ دراصل ان روؤں میں وہ خود ہی آرہا ہے
 اور سدا ہی آرہا ہے۔ یہ کائنات سدا پیدا ہو رہی ہے۔ اور اس کے معنی
 یہ ہیں کہ وہ آپ ہی نئی سے نئی صورتوں اور حالتوں میں نمودار ہو رہا
 ہے۔ اُسے دُرُجھنا جہالت اور غفلت کے سوا کچھ نہیں۔ اس کی آمد کی
 تاک میں رہنے سے بڑھ کر اور کوئی روحانی تدبیر نہیں ہے)

(۴۶)

میں نہیں جانتا کہ تو کتنے عرصہ دراز سے مجھے ملنے کے لئے سدا قریب تر
 ہوتا چلا آرہا ہے۔ پیرے سورج اور ستارے تجھے مجھ سے ہمیشہ کے لئے چھپا
 نہیں سکتے۔

کتنی صبح و شام تیرے پاؤں کی آہٹ سنی گئی ہے۔ اور تیرا قاصد میرے
 خانہ دل میں داخل ہو کر در پردہ بلاتا رہا ہے۔
 میں نہیں جانتا کہ آج کیوں میری زندگی ہمہ تن جوش و ہيجان ہو رہی
 ہے اور تھر تھراتی ہوئی خوشی کا جذبہ میرے دل میں سے گزر رہا ہے۔
 ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے کام کے سمیٹے جانے کا وقت آگیا ہے۔ میں
 ہوا میں تیری موجودگی کی میٹھی خوشبو محسوس کرتا ہوں۔

اپنی نظم کا مضمون ہی ہے محبت کی زندگی کے لئے موت کی مانند
 ہی مسرت سے پُر ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ اُسے جدائی اور تنہائی کا کبھی خوف
 نہیں ہوتا۔

(۴۴)

رات اُسی کے بے سُرد انتظار میں تقریباً گزر چکی ہے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں
وہ صبح کے وقت اچانک میرے دروازے پر نہ آجائے۔ جبکہ تھک کر پڑا سوتا
ہوں۔ آہ! میرے دوستو! اُس کے لئے دروازہ کھلا رکھنا۔ اُسے آنے سے روکنا
مت!

اگر اُس کے قدموں کی آہٹ مجھے نہ جگلائے۔ میری یہی درخواست ہے کہ
مجھے جگانے کی کوشش نہ کرنا۔ میں نہیں چاہتا کہ میں اپنی نیند سے پر بھات
کے اُجالے کے جشن پر پرندوں کی گانے والی جماعت اور باد و زلا کے شور سے
نہ جگایا جاؤں، مجھے بے خلل سونے دو۔ اگرچہ میرا مالک اچانک میرے دروازے
پر آکھڑا ہو۔

آہ! میری نیند! میری قیمتی نیند!! جو کا فور ہونے کے لئے صرف اس
کے مس کی انتظار میں ہے۔ آہ! میری بند آنکھیں جن کے پوٹے صرف اس
کی مسکراہٹ کی روشنی چھوتے ہی کھل جائیں گے۔ جبکہ میرے سامنے وہ اس
خواب کی مانند آکھڑا ہوگا۔ جو نیند کی تاریکی سے نمودار ہوتا ہے۔
وہ میری نگاہ کے روبرو تمام روشنیوں اور صورتوں سے پہلے نمودار ہو
جائے۔ اور میری بیدار شدہ رُوح کو پہلی ہیجان خیز مسرت اس کی نگاہ سے
حاصل ہو۔ اور میرا اپنی طرف عود کرنا، اس کی طرف براہ راست عود ہو۔
دلوگوں اور فطرت سے بیدار کیا جانا اصلی بیداری نہیں سچی
بیداری وہی ہے۔ جو اُس محبوب حقیقی کے جذب و اثر سے ہو۔ ورنہ جاگنا

بھی ایک طرح کا خوابِ غفلت ہے۔ عاشق اپنے محبوب کے ساتھ بلا توسط
غیر می براہِ راست تعلق رکھتا ہے۔ اور جانتا ہے۔ کہ خود شناسی ہی
براہِ راست خدا شناسی ہے۔ کیونکہ وہ جانِ جان ہے)

(۴۸)

صبح کا بحرِ خموشی پرندوں کی ننھی ننھی امواجِ نغمہ میں بدل چکا تھا۔ اور پھول
لبِ سڑک پر خوش و خرم تھے۔ اور سونے کی دولت بادلوں کی درزوں میں سے
بکھر رہی تھی۔ جبکہ ہم نے حالتِ انہماک میں آگے بڑھتے ہوئے ان باتوں کی ذرا
پرواہ نہ کی۔

نہ تو ہم نے کوئی ترانہ مسرت گایا۔ اور نہ کوئی ساز بجا یا۔ ہم نہ تو خرید و فروخت
کے لئے گاؤں میں گئے۔ اور نہ ہم نے کوئی بات چیت کی۔ اور نہ ہی مسکرائے۔ او
نہ ہی ہم راستہ میں ٹھہرے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ ہم اپنی رفتار کو اور ہی
اور تیز کرتے چلے گئے۔

سورج وسطِ آسمان تک چڑھ آیا۔ اور قمریاں سایہ میں کو کو کرنے لگیں
سو کھپتے ناچتے ہوئے دوپہر کی گرم ہوا میں چکر لگانے لگے۔ چرواہے کا لڑکا
اُونگھٹا ہوا بڑکے درخت کے سایہ میں خواب لینے لگا۔ میں نے بھی پانی کے پاس
لیٹ کر گھاس کے اوپر اپنے اعضا پھیلا دیئے۔

میرے دوست یار مجھ پر حقارت سے ہنسنے لگے۔ وہ سر بلند کئے ہوئے
جلدی سے آگے چلے گئے۔ انہوں نے نہ تو مڑ کر دیکھا۔ اور نہ آرام کیا۔ وہ دور

کی نیلگوں کھڑی غائب ہو گئے۔ انہوں نے کئی سبزہ زاروں اور پہاڑوں کو عبور کیا اور کئی دور دراز کے عجیب و غریب ملکوں میں سے گزرے۔۔۔ اے غیر قنابہی راستے کرنے والے بہادروں کے گروہ! تم ہر احترام کے مستحق ہو۔

تضحیک اور سرزنش نے مجھے اٹھانے کے لئے چھین تو لگائی۔ مگر مجھ سے کوئی جواب نہ پایا۔ میں نے مسرور اہانت کی گہرائی اور دھندلی خوشی کے سائے میں اپنے تئیں گھبراہٹ سے گزر کر چھوڑ دیا۔

سورج سے زر و زر سبز تار بچی کا سکون میرے دل پر آہستگی سے چھا گیا۔ میں بھول ہی گیا کہ میں نے کس لئے سفر کیا تھا۔ اور میں نے اپنا من بغیر کسی کوشش کے سایوں اور گیتوں کے جال کے حوالے کر دیا۔

آخر کار جب میں اپنی نیند سے جاگا۔ اور آنکھیں کھولیں۔ میں نے دیکھا کہ تو میرے پاس کھڑا ہوا میری نیند کو اپنی مسکراہٹ کے طوفان میں ڈبو رہا ہے۔ میں کتنا ڈرتا تھا کہ راستہ دراز اور تنکان آور ہے۔ اور تجھ تک پہنچنے کی جدوجہد سخت ہے۔

پر ماتا کا درشن دھوپ اور جدوجہد سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے پیچھے تیزی سے دوڑنے والے اُسے کہیں اور کبھی نہیں پاتے۔ طے کار راستہ خود کو انکسار کے ساتھ اس کے سپرد کر کے ڈھیلا اور ساکن ہو رہتا ہے۔ زور لگانا ایک روکاؤٹ ہے۔ تب ملنا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ دوڑ اور جدوجہد چھوڑ کر خود کو انکسار کے ساتھ حوالہ

کرنے پر وہ آپ ہی دشمن و سہ دیتا ہے)

(۴۹)

تو اپنے تخت سے نیچے اتر کر میری جھونپڑی کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔
میں ایک کونے میں تن تہنا گا رہا تھا۔ میرے لٹنے نے تیری توجہ کو اپنی
طرف مبذول کیا اور تو نیچے اتر کر میری جھونپڑی کے دروازے پر کھڑا
ہو گیا۔

تیرے دربار میں بہت سے اُستاد گوپیہ موجود ہیں۔ اور وہاں سدا
گیت گائے جا رہے ہیں۔ مگر اس نو آموز کے لغزہ مسرت نے تیری محبت کو
متاثر کیا۔ ایک ننھا سا بلبلا تا ہوا گیت دُنیا کے عظیم راگ کے ساتھ گھل
مل گیا۔ اور تو انعام کے طور پر ایک پھول لئے نیچے اتر کر میری جھونپڑی کے
دروازے پر کھڑا ہو گیا۔

(جگوان کو ملنے کے لئے بچکانہ سادگی، بلبلاہٹ، بیقرار فریاد اور
ٹرپ ورکار ہے۔ وہ پریم سروپ اور دیالو ہے۔ وہ ہنر نہیں دیکھتا۔
دل کی سادگی، بے تکلفی اور محبت کو دیکھتا ہے اور بس)

(۵۰)

میں گھاؤں کے راستے میں در بدر بھیک مانگنے گیا تھا۔ جبکہ تیرا سنہری
رہہ فاصلے پر سے بڑے شاندار خواب کی مانند دکھائی دیا۔ میں حیران تھا کہ

یہ راجاؤں کا راجہ کون ہے ؟

میری امیدیں بلند ہو گئیں۔ اور میں نے خیال کیا۔ کہ میرے بُرے دن ختم ہونے کو آئے۔ اور میں اس انتظار میں کھڑا ہو گیا۔ کہ بن مانگے بھیک ملے گی۔ اور چاروں طرف خاک میں دولت بچھ جائے گی۔

رتھ وہیں ٹھہر گیا، جہاں میں کھڑا تھا۔ تیری نگاہ مجھ پر پڑی۔ اور تو مسکراتا ہوا رتھ سے اتر آیا۔ اور پھر اچانک تو نے اپنا دایاں ہاتھ پھیلا کر کہا "تم مجھے کیا دو گے ؟"

آہ ! یہ کیا شانہ محول تھا۔ کہ تو نے ایک بھکاری سے بھیک مانگنے کے لئے اپنی مہییلی پھیلا دی۔ مجھ پر گھبراہٹ اور تذبذب کی حالت طاری ہو گئی۔ پھر میں نے اپنی جھولی میں سے سب سے چھوٹا سا دانہ اٹھا کر تجھے دے دیا۔

مگر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب میں نے دن کے خاتمے پر اپنی جھولی کو فرش پر خالی کیا تو دیکھا کہ اس حقیر انبار میں سونے کا ایک نہایت چھوٹا سا دانہ پڑا ہے۔ میں زار زار رویا۔ کاش کہ میں تجھے اپنا سب کچھ دینے کا دل رکھتا۔

ایشور کو ہم سے کچھ بھی ورکار نہیں ہے۔ وہ ہم سے اس لئے لینا چاہتا ہے کہ ہمارے ناچیز دان کو بے انداز قیمت دے کر ہمیں دے دے مگر اس بات کو نہ جانتے ہوئے ہم دینے سے گھبرا یا کرتے ہیں۔ اور جب یہ راز کھلتا ہے۔ کہ وہ ہم سے قطرہ اسٹے مانگتا ہے۔ کہ اُسے سمندر

بنا کر واپس کر دے۔ تب اپنی نادانی پر حسرت سے سر دھنا کرتے ہیں)

۱۵

رات تاریک ہو گئی۔ ہمارا دن کا کام ختم ہو گیا تھا۔ ہم نے خیال کیا تھا کہ رات کا آخری مہمان آچکا تھا اور گاؤں کے تمام دروازے بند ہو گئے تھے۔ بعض کہہ رہے تھے کہ بادشاہ آنے کو ہے۔ ہم ہنس کر کہتے تھے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔

ایسا معلوم ہوا کہ گویا دروازے کو دھکے لگائے جا رہے تھے۔ ہم نے کہا کہ کچھ نہیں۔ فقط ہوا ہے۔ ہم چراغ بجھا کر سونے کی غرض سے لیٹ گئے صرف بعض نے کہا کہ کوئی پیغام بر ہے۔ ہم نے ہنس کر کہا۔ نہیں۔ ہوا کے سوا کچھ نہیں ہے۔

آدھی رات کو ایک آواز سنائی دی۔ ہم نے خواب آلود حالت میں یہ سوچا کہ دُور سے بادل کی گرج سنائی دے رہی ہے۔ زمین تھر تھرائی۔ دیواریں جھونے لگیں۔ اور اُس نے ہماری نیند میں خلل ڈال دیا۔ صرف بعض نے کہا۔ ”یہ پتوں کی آواز ہے“۔ ہم نے اونگھتے ہوئے کہہ دیا۔ نہیں۔ یہ ضرور بادلوں کی گرج ہوگی۔

رات ابھی کالی تھی کہ ڈھول بجا۔ آواز آئی۔ ”جاگو۔ ویر مت کرو!“ ہم نے دل کو اپنے ہاتھوں سے مٹھاما۔ اور دُور سے لڑا اُٹھے۔ کسی نے کہا۔ ”دیکھنا۔ یہ تو بادشاہ کا علم ہے۔“ ہم اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر چلائے

لگے۔ کہ "اب مزید دیر کرنے کا وقت نہیں ہے۔"

بادشاہ آگیا ہے۔ مگر چراغ کہاں ہیں اور مار کہاں؟ اُسے بھٹلنے کے لئے تخت کہاں ہے؟ اوہ! شرم کی بات ہے۔ نہایت شرم کی بات ہے۔ دربار کہاں ہے اور آرائشیں کہاں؟ کسی نے کہا۔ "یہ چلا ہیٹ بے سوڈ ہے۔ خالی ہاتھوں اُسے خوش آمدید کہہ کر اُسے اپنے ننگ منہ کے کمروں میں لے آؤ۔"

اپنے دروازے کھولو۔ سنکھ بجنے دو! ہمارے تاریک اور سنسان گھر کا بادشاہ آگیا ہے۔ آسمان میں بادل گرج رہے ہیں۔ اور تاریکی بجلی سے لرز رہی ہے۔ تو اپنی ٹوٹی پھوٹی چٹائی کا ٹکڑہ لا کر صحن میں بچھا دے۔ اس طوفان کے ساتھ ہماری بھیانک رات کا بادشاہ اچانک آگیا ہے۔

(وہ کل کائنات کا مالک ہو کر بھی ہماری غریبانہ اور نادارانہ شرائط

پر ہم سے ہمارے گھر پر ملنے کے لئے تیار ہے۔ اُسے شان و تزک، اور آرائش کی پرواہ نہیں۔ صرف مخلصانہ اور منکسر محبت مطلوب ہے۔ ہماری نمائش اور آرائش اس کی آمد اور وصل میں حائل ہوتے ہیں۔ وہ سنسان رات کا بادشاہ ہے۔ کیونکہ وہ وہیں ملتا ہے۔ جہاں ہماری دنیوی دانش کا اُجالا نہیں ہوتا۔ اور جہاں ہم اکیلے ہوتے ہیں۔ اپنے ساتھ مقبوضات اور سختی نہیں رکھتے۔)

(۵۲)

میں نے خیال کیا۔ کہ تجھ سے گلاب کے پھولوں کا وہ ہار مانگوں۔ جو تو
لے گئے ہیں ڈال رکھا ہے۔ مگر مجھے جرأت نہ ہوئی۔ اس طرح میں صبح کا منتظر
کہ جب توجائے گا۔ بستر میں چند پنکھڑیاں مل جائیں گی پھیلات ہوئے
پر میں نے بھکھارن کی مانند ایک یادو بھولی بھٹکی پنکھڑیوں کے لئے دیکھ
بھال شروع کی۔

اُن میں نے کیا دیکھا! تیری محبت کی کیا نشانی باقی رہ گئی، کوئی پھول
نہیں۔ کوئی خوشبودار مسالہ نہیں۔ اور نہ ہی معطر پانی کا طرف چینی موجود
ہے۔ صرف ایک زبردست تلوار، شعلے کی مانند چمکتی ہوئی اور بجلی کی کوند کی
مانند وزن دار ہے۔ صبح کی نوخیز روشنی کھڑکی سے داخل ہو کر بستر پر پھیل
جاتی ہے۔ اور صبح کا پچھی چھپاتا ہوا پوچھتا ہے۔ "اے عورت! تجھے کیا کچھ
بلائے۔" کچھ نہیں۔ نہ پھول۔ نہ خوشبودار مسالہ اور نہ معطر پانی کا طرف چینی
ہے۔ یہ صرف تیری زبردست تلوار ہے۔

میں بیٹھ کر حیرت میں سوچتی ہوں۔ تو نے مجھے کیا تحفہ دیا ہے۔ میں
اُسے چھپانے کے لئے کوئی جگہ نہیں پاتی۔ مجھ کمزور کو اسے پہنتے ہوئے شرم
محسوس ہوتی ہے۔ اور جب میں اُسے سینہ سے لگاتی ہوں۔ یہ مجھے زخمی کر دیتی
ہے۔ میں اس پر بھی تیرے اس عطیے، اس وبال درد کے اعزاز کو دل میں
برداشت کر دوں گی۔

آج سے لے کر آئندہ اس دنیا میں میرے لئے کوئی خوف باقی نہ رہے گا۔

اور تو میری تمام جد و جہد میں فتح یاب ہو گا۔ تو موت کو میرا ساتھی بنا گیا ہے۔
 میں اسے اپنی زندگی کا تاج پہناؤں گی۔ تیری تلوار میرے پاس اپنی قیود کو
 کاٹنے کے لئے ہے۔ اور اب دنیا میں میرے لئے کوئی خوف نہیں رہے گا۔
 میں ابھی سے تمام حقیر آرائیوں کو چھوڑتی ہوں، اے میرے دل کے مالک
 اب مجھے کولوں میں بیٹھ کر انتظار کرنے اور رونے دھونے کی ضرورت نہ ہوگی
 اور نہ ہی آئندہ مجھے اپنی روش میں شرمیلا پن اور شیرینی درکار ہونگے۔ تو نے
 مجھے اپنی تلوار سجاوٹ کے لئے دیدی ہے۔ اب گڑیا کی آرائیوں کا خاتمہ ہو
 چکا۔

رأس کی محبت سچی اور گہری مصیبت بیرونی نرمی اور دلداری میں
 نہیں بلکہ کڑے قانون میں ہے۔ اس قانون (تلوار) کی خلاف ورزی
 ہمیں خود نقصان پہنچاتی ہے۔ اس قانون قدرت کی ڈراؤنی تلوار
 کو منظور کر کے بعد میں کوئی ڈر نہیں رہ جاتا۔ قانون ہماری حفاظت
 کرتا ہے۔ اور ہمیں اس کے وصل کے لئے رسوم (آرائشات) کی ضرورت
 نہیں رہ جاتی۔

(۵۳)

سُندر ہے تیرا کلائی بندستاروں سے سجا ہوا اور بے شمار رنگوں کے جواہرات
 سے بنا ہوا ہے۔ لیکن میری نگاہ میں تیری تلوار اس سے بھی بڑھ کر خوبصورت
 ہے۔ اس کا برقی خم۔ وشنو کے ایزوی پرندے کے پھیلے ہوئے بازوؤں کی مانند

ہے۔ اور یہ عروج آفتاب کی غصیلی لال روشنی میں پوری طرح نکلی کھڑی ہے۔
 اُس کی لرزش موت کے آخری صدمے کے وقت وجد و درو میں زندگی
 کے آخری جوابی فعل کی مانند ہے۔ یہ تند شعلے کے ذریعے زمینیں جس جلتے کے
 شعلہ پاک کی مانند چمک رہی ہے۔

تیرا کلامی بند خوبصورت ہے ستاروں سے مصرع۔ مگر تیری تلوار۔
 اے رعد کے مالک! انتہائی خوبصورتی سے ڈھالی گئی ہے۔ اسے دیکھنے اور
 اُس کا خیال کرنے سے ہی ڈر لگتا ہے۔

(حقیقت تو دو پہلو رکھتا ہے۔ (۱) محبت جو دلکش ہے۔ (۲) قانون
 جو نہایت ڈراؤنا ہے۔ یہاں اس کے اٹل قانون کی ڈراؤنی خوبصورتی
 کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہم صرف اُس کی محبت کے
 طالب ہو کر اُس کے قانون کی بے رحم تلوار کو بھول جایا کرتے ہیں
 وشنو کی سواری گر رہے۔ اپنشدوں میں ایشور کے اس ڈراؤنے
 پہلو کو ہمد بھیم بجر موتیم (گرنے کو تیار، نہایت خوفناک بھی کہتا
 گیا ہے)

(۵۴)

میں نے تجھ سے کچھ نہیں مانگا۔ اور نہ تجھے اپنا نام بتلایا ہے۔ جب تو رخصت
 ہوا۔ میں چپ چاپ کھڑی رہی۔ میں اُس کنوئیں کے پاس اکیلی کھڑی تھی جہاں
 درخت کا ترچھا سایہ پڑ رہا تھا۔ عورتیں اپنے لبالب بھرے ہوئے بھڑے

رنگ کے مٹی کے گھڑوں کو لئے ہوئے گھر جا چکی تھیں۔ وہ مجھے بلاتی اور لکارتی رہیں۔ "آہمارے ساتھ آ۔ صبح دوپہر میں بدلنے کو ہے۔ مگر میں اپنے دھندلے خیالات میں خود فراموش ہو کر کاہلانہ طور پر وہیں کھڑی رہی۔

جب تو آیا، میں نے تیرے قدموں کی آہٹ نہ سن پائی۔ تیری نگاہیں جب مجھ پر پڑیں حسرت زدہ تھیں۔ اور جب تو دھیمی آواز سے بول رہا تھا۔ "بری آواز تھکی ہوئی تھی۔" آہ، میں ایک پیاسا مسافر ہوں۔ میں نے اپنے دن کے خوابات سے چونک کر اپنے گھر سے تیری جڑی ہوئی ہتھیلیوں پر پانی ڈالا۔

سر کے اوپر پتے سرسرا رہے تھے۔ کوئل غیر مرنی تار کی سے گارہی تھی۔ اور بابلا کے پھولوں کی خوشبو شرک کے موڑ سے آرہی تھی۔ جب تو نے میرا نام پوچھا۔ میں شرم کے مارے سکوت زدہ رہ گئی۔ واقعی میں نے تیرے لئے بھلا کیا کیا تھا۔ کہ تو مجھے یاد رکھتا؟ مگر یہ یاد کہ میں نے تیری پیاس بجھانے کے لئے پانی دیا، سدا میرے دل میں رہتی ہوئی، اُسے مٹھا اس میں لپٹائے رکھیں گی۔ صبح ہوئے دیر ہو گئی ہے۔ پرندہ نھکی ہوئی سروں سے گارہا ہے۔ نیم کے پتے سر کے اوپر سرسرا رہے ہیں۔ میں بیٹھ کر سوچے چلی جاتی ہوں۔

(رشی کوئی نے جیو اور ایشور کے درمیان پریم لیلہ کا گیت گایا ہے وہ مالک جیو کے روبرو فقط محبت کے لئے اپنے کاہلانہ کرتا ہوا بھیک مانگتا ہے۔ بھلا دینے والا ہے کون جو اپنا نام بتلائے۔ کیونکہ پیاس

بھی اسی کی اور پانی بھی اسی کا ہے۔ اور پانی دینے والا بھی کوئی دوسرا
 نہیں ہے۔ وہ ادھر بھی آپ ہے اور ادھر بھی آپ ہے۔ درحقیقت
 نہ کوئی دیتا ہے۔ اور نہ لیتا ہے۔ فقط پریم کا کھیل ہے)

(۵۵)

تیرے دل پرستی چھا رہی ہے۔ اور تیری آنکھیں اب تک اُونگھ رہی

ہیں۔ کیا تجھے یہ پیغام نہیں ملا۔ کہ پھول کانٹوں کے درمیان اپنی شان دکھلا
 رہا ہے۔ جاگ، ارے جاگ! وقت کو ناحق ضائع نہ ہونے دے۔

تیرے پتھر یلے راستے کے انجام پر دوشیزہ خاموش کے دس میں
 میرا دوست اکیلا بیٹھا ہوا ہے۔ اسے دھوکا مت دے۔ جاگ! اُٹھ
 جاگ!

کیا ہوا۔ اگر آسمان دوپہر کی دھوپ کی حدت سے ہانپ اور کانپ رہا
 ہے۔ کیا مضائقہ، اگر جلتی ہوئی ریت اپنی پیاس کی چادر پھیلائے ہوئے
 ہے۔

کیا میرے دل کی گہرائی میں کوئی خوشی نہیں ہے؟ کیا میرا ہر ایک قدم
 پڑتے وقت راستے کی ستارے سے ورد کا میٹھا رنگ نہیں بچھوٹے گا؟

کانٹوں کے درمیان پھول کی مانند زندگی بھی بے انداز
 مشکلات کے درمیان خوشی کی چیز ہے۔ پتھر یلے اور دشتوار راستے

انجام کار اسی محبوب تک پہنچا دیتے ہیں۔ اسلئے زندگی اور اس کی ہر
ایک حرکت خوشی کی چیز ہے۔ اور جو یہ نہیں جانتا۔ وہ ابھی پڑا
سوتا ہے۔ روحانی طور پر جاگا نہیں)

(۵۶)

مجھے میں تیری خوشی اس قدر ہے۔ کہ تو اسی آئندہ سے میرے پاس نیچے
اُتر آیا ہے۔ اے تمام آسمانوں کے مالک! اگر میں نہ ہوتا۔ تب تیری محبت
کہاں ہوتی؟

تو نے مجھے اپنی ساری دولت میں اپنا شریک بنا لیا ہے۔ میرے دل
میں تیری خوشی کی بے انتہا لہر ہو رہی ہے۔ میری زندگی میں تیری اچھا
سدائی سے نئی صورتیں اختیار کر رہی ہے۔

اور اسی غرض سے ہی تو نے، جو راجاؤں کا۔ اجہ ہے۔ میرا من موئے
کے لئے اپنے تئیں حسن و جمال سے سجا رکھا ہے اور اسی لئے تیری محبت پیر
عاشق کی محبت میں نزول پاتی ہے۔ اور وہیں ان دونوں (محببتوں) کے
ملاپ میں تیرا روشن ہوتا ہے۔

(بھگت بھگوان کے پریم اور آئندہ کو اندر باہر دیکھتا ہے اور
محسوس کرتا ہے کہ جو کچھ پریم پتا کا ہے وہی پتر کا ہے۔ پتر کے روپ
اور جیون میں پتا کا آئندہ اور اچھا ہی منووار ہو رہے ہیں۔ دنیا میں
خوبصورتی فقط اسلئے ہے کہ وہ چشمہ محبت ہمارے ساتھ پریم کرنا چاہتا

ہے اور مخلوق اور خالق کے دو طرفہ پریم کی وحدتِ کاملہ میں ہی اس ذات
کے روشن ہوتے ہیں۔ بھگت کے پریم میں خود بھگوان کا پریم ہی ظاہر
ہوتا ہے)

(۵۷)

روشنی۔ میری روشنی۔ عالم کو معمور کرنے والی روشنی۔ آنکھیں چو
والی روشنی۔ دل کو مٹھاس بخشنے والی روشنی۔
آہ! میرے عزیز! میری زندگی کے مرکز پر روشنی رقص
کر رہی ہے۔ اور میرے لال! روشنی میری محبت کی تاروں کو بجاتی ہے۔
آسمان کھل جاتا ہے۔ ہوائِ تندی کے ساتھ چلنے لگتی ہے۔ اور ہنسی تمام زمین
پر پھیل جاتی ہے۔

تہتریاں اپنے پروں کے بادبانوں کو روشنی کے سمندر پر پھیلا دیتی
ہیں۔ اور کنول اور چنبیلی کے پھول روشنی کی لہروں کی کلخی پر لہرائے لگتے ہیں۔
میرے ولارے! روشنی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہر بادل پر سونا بن گئی
ہے۔ اور فراوانی کے ساتھ جواہرات بکھیر رہی ہے۔

میرے پیارے! پتے پتے میں لطف و مسرت بے انداز پیمانے پر پھیل
رہے ہیں۔ آسمانی دریا اپنے کنارے ڈبو بیٹھا ہے۔ اور سیلابِ شادمانی دور
تک پھیل گیا ہے۔

رشتاء کو کل کائنات ہی روشنی کا کھیل دکھلائی دی ہے۔ وہ روشنی

عین محبت، خوبصورتی اور خوشی ہے۔ کل جاندار اس روشنی کی خوشی سے جیتے اور حرکت کرتے ہیں۔

(۵۸)

مسرت کی تمام مسروں کو میرے آخری گیت میں مل جانے دے۔ یہ وہ مسرود ہے جو زمین کو گھاس کی بدستمانہ افراط کی صورت میں آپے سے باہر کر دیتا ہے۔ وہ آنند جو زندگی اور موت کے توام بھائیوں کو فراخ دنیا میں بچا رہا ہے۔ وہ خوشی جو طوفان میں نہراٹے بھرتی ہوئی کل زندگی کو قہقہہ کے ساتھ ہلا اور جگا دیتی ہے۔ وہ مسرت جو درد کے کھلے ہوئے لال کنول پر آنسو بہاتی ہوئی ساکت ہو کر بیٹھتی ہے۔ اور وہ خوشی جو اپنی ہر ایک شے کو زمین پر پھیلتی ہوئی پھر اُس کا نام تک نہیں لیتی۔

یہ خوشی ہے جو زمین سے گھاس اُگاتی۔ زندگی اور موت کو بچاتی۔ زندگی کو جگاتی اور اُس میں حرکت پیدا کرتی ہے۔ اور دنیا کی تغیر پذیری پر قہقہے لگاتی ہے۔ درد اور آنسوؤں کے اندر بھی وہی موجود ہوتی ہے۔ خوبصورتی اُسی کا ظہور ہے۔ اور جو سب کچھ لٹا دیتی ہے۔ اور لٹا کر اُسے بھیل جاتی ہے۔ کیونکہ فرط مسرت میں انسان بے غرض ہو کر اپنی تمام چیزوں کو دینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

(۵۹)

ہاں میں جانتا ہوں، اے میرے دل کے پیارے! یہ تیرے پریم کے
سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ سنہری روشنی جو پتوں پر نایاب رہی ہے۔ یہ سست اور آوارہ
بادل جو آسمان میں تیرے ترچھرتے ہیں۔ یہ پاس سے گزرنے والی نسیم جو میری
پیشانی پر ٹھنڈک چھوڑ جاتی ہے۔

صبح کی روشنی میری آنکھوں میں طوفان کی مانند بہ رہی ہے۔ یہ تیرا
پیغام ہے میرے دل کے لئے۔ تیرا چہرہ اوپر سے جھبک رہا ہے۔ تیری آنکھیں
میری آنکھوں کی طرف نیچے کو دیکھ رہی ہیں اور میرے دل کو تیرے قدموں
کا چھونا نصیب ہوا ہے۔

رشی کو ساری دنیا پریم کا کھیل معلوم ہوتی ہے۔ وہ بھگوان کو اپنی طرف
نکتا ہٹوا دیکھتا ہے، پچھلی نظم میں اسے آند کا ظہور تبلا یا کھتا۔ آند اور
پریم ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہیں۔

(۶۰)

لا انتہا دنیاؤں کے ساحل بھر پر نیچے جمع ہوتے ہیں۔
غیر محدود آسمان سب کے اُپر بے حرکت حالت میں موجود ہے۔ اور بقیہ
پانی شور مچا رہا ہے۔ لا انتہا دنیاؤں کے ساحل بھر پر نیچے لہرے لگاتے اور
ناچتے ہوئے آپس میں ملتے ہیں۔

وہ ریت سے اپنے مکان تیار کرتے ہیں اور خالی گھونگھوں کے ساتھ

کھیلنے ہیں۔ سوکھے پتوں سے وہ اپنی کشتیاں بناتے ہیں اور مسکراتے ہوئے
 انہیں وسیع سمندر پر تیراتے ہیں۔ دنیاؤں کے ساحل بحر پر بچے کھیل کرتے
 ہیں۔

وہ تیرنا نہیں جانتے اور نہ ہی انہیں جال ڈالنے آتے ہیں۔ صدف گیر
 موتیوں کے لئے غوطے لگاتے ہیں۔ تاجر اپنے جہازوں میں سفر کرتے ہیں
 لیکن بچے سنگریزے اکٹھے کر کے انہیں پھر بکھیر دیتے ہیں۔ وہ مخفی خزانوں
 کی تلاش نہیں کرتے۔ اور نہ ہی جال ڈالنا جانتے ہیں۔

سمندر مہلتے لگانا ہوا موجزن ہوتا ہے۔ ساحل بحر کی مسکراہٹ پیلی
 جھلک دکھاتی ہے۔ اور فنا کا لہریں، اپنے ننھے کو جھولے میں جھلاتی ہوئی
 ماں کی مانند، مہل گیت سناتی ہیں۔

سمندر بچوں کے ساتھ کھیلتا ہے۔ اور ساحل بحر کی مسکراہٹ پیلی پیلی
 جھلک دکھلاتی ہے۔

لا انتہا دنیاؤں کے ساحل بحر پر بچے جمع ہو رہے ہیں۔ آندھی بے را
 آسمان میں گشت لگا رہی ہے۔ جہاز بے نشان پانی میں تباہ ہو جاتے ہیں
 ہر طرف موت ہی موت ہے۔ اور لڑکے کھیل رہے ہیں۔

لا انتہا دنیاؤں کے ساحل بحر پر بچوں کا عظیم مجمع ہو رہا ہے۔
 لا انتہا دنیاؤں کا ساحل سمندر اسلئے کہا ہے۔ کہ مرنے کا ثبات
 سے پرے غیر محدود حقیقت موجود ہے۔ ہم جو کچھ بھی جانتے ہیں
 وہ صرف کنارے کا علم ہے۔ عوام الناس بچوں کی مانند صرف

کنارے پر کھینچنے میں لگن ہو رہے ہیں۔ انہیں غیر مرئی اور نامعلوم
دنیاؤں کا کسی خیال ہی نہیں آتا۔

(۶۱)

نہید جو ننھے بچے کی آنکھوں میں دوبے پاؤں آتی ہے۔ کیا کوئی جانتا ہے
کہ وہ کہاں سے آتی ہے؟

ہاں یہ افواہ سننے میں آتی ہے۔ کہ بن کے سایوں میں ایک پرلیوں
کے گاؤں میں اس کا مسکن ہے۔ جس میں جگنوؤں کی دھندلی سی روشنی
ہو رہی ہو۔ اور جس کے اندر جادو کی دونا زک کلیاں ٹھک رہی ہیں۔
وہاں سے یہ ننھے بچے کی آنکھیں چومنے آتی ہیں۔

نہید میں ننھے بچوں کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ چھلکار رہی ہے۔ کیا
کوئی جانتا ہے کہ کہاں اس کا جنم ہوا تھا؟

ہاں یہ افواہ سننے میں آتی ہے۔ کہ ماہ ہلال کی ایک نوخیز پہلی کرن نے
موسم خزان کے میٹھے ہونے، بادل کے کنارے کو چھو اٹھا۔ اور وہاں شبنم
سے دھلی ہوئی صبح کے خراب سے یہ مسکراہٹ پہلے پہل پیدا ہوئی۔ وہ
مسکراہٹ جو سوئے ہوئے ننھے بچے کے ہونٹوں پر مسکرایا کرتی
ہے۔

سیٹھی کو مل تازگی۔ بچے کے اعضا میں شگفتہ نظر آتی ہے۔ کیا
کوئی جانتا ہے کہ وہ اب تک کہاں چھپ رہی تھی؟ ہاں۔ جب مال ایک

نوجوان لڑکی تھی۔ یہ نازک اور خاموش ستر محبت اُس کے دل میں پھیل رہی تھی
 — مبیٹھی اور کوئل تازگی جو خپے کے اعضاء میں شگفتہ دکھلائی دیتی
 ہے۔

(تمام جاندار چیزوں کا باہمی تعلق موجود ہے۔ ایک ہی زندگی اور خوشی
 سب میں نمودار ہو رہی ہے۔ بچے کی نیند مسکراہٹ اور تازگی کا تعلق
 اس زندگی سے ہے۔ جو بنوں میں۔ آسمان پر ظہور پذیر ہو رہی ہے
 جس طرح مکان میں۔ اسی طرح زمانے میں بھی گزشتہ اور آئندہ
 کا تعلق پایا جاتا ہے۔ انسان اور فطرت ایک ہی زندگی کے دو
 ظہور ہیں)

(۶۲)

جب میں تیرے پاس رنگین کھلونے لاتا ہوں تب، اے میرے بچے!
 میں سمجھتا ہوں کہ کیوں؟ بادلوں اور پانی کے اوپر رنگوں کا کھیل ہو
 رہا ہے۔ اور کیوں پھول ہلکے ہلکے رنگوں سے رنگے گئے ہیں۔ جب کہ
 اے میرے بچے! میں تیرے لئے رنگین کھلونے لاتا ہوں۔

جب میں مہیں سچانے کے لئے گاتا ہوں۔ تب، اے میرے بچے!
 میں صحیح طور پر جان لیتا ہوں کہ کیوں پتوں میں راگ موجود ہے۔ اور
 کیوں لہریں کان لگا کر سننے والی زمین کے دل کو اپنی آوازوں کا اجتماعی
 نغمہ سننا یا کرتی ہیں — جب کہ میں مہیں سچانے کے لئے

گانا ہوں۔

جب میں تیرے مشاق ہاتھوں کے لئے مٹھائیاں لاتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ کیوں پھول کے پیالے میں شہد پائی جاتی ہے۔ اور کیوں پھلوں کو چمکے چمکے میٹھے رس سے بھرو دیا جاتا ہے۔ جب کہ میں تیرے مشاق ہاتھوں کے لئے مٹھائیاں لاتا ہوں۔

جب میں تجھے ہنسائے کے لئے تیرا منہ چومتا ہوں، میرے عزیز! میں یقینی طور پر سمجھتا ہوں کہ صبح کی روشنی میں آسمان سے بہنے والی روؤں میں کیا مسرت ہوتی ہے۔ اور وہ کیا خوشی ہے۔ جو موسم گرما کی نسیم میرے جسم کو دیا کرتی ہے۔ جبکہ میں تجھے ہنسائے کے لئے تیرا منہ چوما کرتا ہوں۔ (جو محبت ماں باپ میں پائی جاتی ہے۔ اس کی مانند مگر اس سے بے انداز درجے بڑھ کر محبت ہمارے لئے ساری کائنات میں موجود ہے۔ اسی لئے دنیا میں ہماری خوشی کے سامان پائے جاتے ہیں۔ دنیا صرف مادی ذرات اور اندھی طاقتوں کا کھیل نہیں۔ بلکہ وہ ایک زندہ۔ پر محبت۔ پیسروں پرستی ہے۔ اور اس لئے اس کے ساتھ ہمارا رشتہ زندگی ہے)

(۳۲)

تُو نے مجھے اُن دوستوں کا آشنا اور واقف بنا دیا ہے۔ جنہیں میں نے نہ جانتا تھا۔ تُو نے مجھے اُن گھروں میں جگہ دی ہے۔ جو میرے نہ تھے

تو نے بعید کو قریب اور اجنبی کو بھائی بنا دیا ہے۔

میں جہاں رہنے کا ناوی ہو گیا ہوں۔ اس مقام کو چھوڑتے وقت میرا
دل بے چین ہوا اٹھتا ہے۔ میں اس بات کو بھول جاتا ہوں کہ جدید میں قدیم
موجود رہتا ہے۔ اور وہاں بھی تو موجود ہے۔

پیدائش اور موت کے ذریعے، اس دنیا یا اور دنیاؤں میں، تو مجھے
جہاں لیجاتا ہے۔ تو ہی جو وہی کا وہی۔ اور میری لامتناہی زندگی کا ایک
ہی ساتھی ہے، مجھے اجنبی چیزوں اور لوگوں کے ساتھ میرے دل کو
پریم کے بندھن سے مربوط کر دیتا ہے۔

جب کوئی مجھے جان لیتا ہے۔ تب کوئی بیگانہ نہیں رہتا۔ اور
نہ ہی اُس پر کوئی دروازہ بند ہوتا ہے۔ اوہ، میری یہی پارہ خشنا قبول
کر کہ میں انیک کے کھیل میں ایک کے لمس کو کبھی کھونے نہ پاؤں۔

(جب اس زندہ حقیقت کی طرف اندرونی آنکھ کھل جاتی ہے۔ جو

ہر جگہ اور سدا موجود ہے۔ تب پردیں۔ اجنبی۔ غیر بیگانے کے

جاہلانہ اور تنگ تصورات دور ہو جاتے ہیں۔ ہر جگہ اپنا گھر سب

لوگ اپنے۔ اور سب دروازے کھلے نظر آتے ہیں۔ یہی

سچا پریم و روشن ہے)

(۷۴)

مہی لمبی گھاس کے درمیان بہتے ہوئے نارت گر دریا کی ڈھلان پر

میں نے پوچھا۔ "اے کنواری کنبیا! تو اپنے چراغ کو چار سے ڈھانکے ہوئے
کدھر جا رہی ہے؟ میرا گھر تاریک اور سونا ہے۔ مجھے اپنا چراغ عاریتاً
دیدے۔"

اُس نے اپنی کالی آنکھیں ایک لمحہ کے لئے اٹھا کر اُس تاریکی میں میری
طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں دریا کی طرف اس لئے آئی ہوں۔ کہ جب کہ
دن کی روشنی مغرب میں زوال پذیر ہو رہی ہے۔ اپنے چراغ کو دریا کے
اوپر تیراؤں۔"

میں لمبی لمبی گھاس کے درمیان اسیلا کھڑا ہو کر، اُس لڑکی کے چراغ
کو جو دریا کی سطح پر بے سود جل رہا تھا۔ دیکھتا رہا۔
بڑھتی ہوئی رات کی خاموشی میں میں نے اُس سے پوچھا۔ "اے کنواری
کنبیا! تیرے تو سب چراغ جل رہے ہیں۔ تو اپنے چراغ کو لئے کدھر
جا رہی ہے؟ میرا گھر تنہا و تاریک ہے۔ مجھے اپنا چراغ عاریتاً
دے۔"

اُس نے اپنی سیاہ آنکھیں میری طرف اٹھائیں اور ایک لمحہ کے لئے
مذہب حالت میں کھڑی رہ کر بولی۔ "میں آخر کار اپنا چراغ آسمان کی نذر
کرنے آئی ہوں۔ میں کھڑا رہ کر خلا میں اُس کے چراغ کے بے سود جلنے
کو دیکھتا رہا۔"

آدھی رات کی بے چاند تاریکی میں میں نے پوچھا۔ "اے کنواری کنبیا!
تو چراغ کو اپنے دل کے نزدیک کھامے ہوئے کیا ڈھونڈ رہی ہے؟

میرا گھڑا ایک اور سنسان ہے۔ مجھے اپنی روشنی اُدھار دے دے۔
 اس نے ایک منٹ کے لئے ہٹھکرتا رہی میں میرے چہرے پر نظر ڈالی۔
 اور کہا۔ "میں اپنا چراغ اس لئے لائی ہوں کہ چراغوں کے خشتن میں شامل
 ہو سکوں۔"

میں کھڑا ہو کر اس کے چھوٹے سے چراغ کو دوسرے چراغوں کے درمیان
 بے سود جلنے تکارتا ہوا۔

(اکثر لوگ اپنی طاقتوں کو دوسروں کی بہتری کے لئے صرف کرنے کی
 بجائے ایسے کاموں اور رسوم مذہبی میں خرچ کر دیا کرتے ہیں۔ جن سے
 کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ نہ دریا کو چراغ درکار ہے۔ اور نہ تاروں بھرے
 سورج چاند والے آسمان کو، اور نہ ہی دوسرے چراغوں کو اس کی
 ضرورت ہے۔ ہماری طاقتیں بے سود رسوم میں خرچ ہونے کی بجائے
 انسانی بہتری میں خرچ ہونی چاہئیں)

(۶۵)

اے میرے مالک! میرے زندگی کے چھلکتے ہوئے پیالے سے تو کون سا
 شرب ایزوی حاصل کرنا چاہتا ہے؟
 اے میرے شاعر! کیا تیری یہی مدھنی ہے کہ اپنی مخلوقات کو میری آنکھوں
 سے دیکھے۔ اور میرے کانوں کے دروازوں پر کھڑے ہو کر اپنے ابدی راگ
 کو چپ چاپ دھیان لگا کر سُنا کرے؟

تیری دنیا میرے ذہن میں الفاظ کو مترتب کر رہی ہے۔ اور تیری خوشی
ان پر راک ایزاد کر رہی ہے۔ تو مجھے پریم ہیں اپنا آپ دیتا ہے۔ اور پھر خود
ہی میرے اندر اپنی پوری شیرینی کو محسوس کرتا ہے۔

(در حقیقت سب آنکھوں میں سے وہی اپنی مخلوقات کو دیکھ رہا
ہے۔ سب کانوں سے وہ اپنا ہی نغمہ کائنات سن رہا ہے۔ اور وہی دنیا
کے مہیجات سے ہمارے ذہن میں شاعری اور راک کو جمع کرتا ہے
اور محبت کی صورت میں خود ہمارے اندر نمودار ہو کر خود ہی
اپنی مٹھاس کو پوسے طور پر چکھ رہا ہے۔ دراصل وہ خود ہی مشہور
ہے اور خود ہی شاہد۔ خود ہی منظور اور خود ہی ناظر۔)

(۷۷)

وہ جو ہمیشہ میرے دل کی گہرائی میں۔ جھلکوں اور جھلکوں کے دھندلکے میں
سدا موجود چلی آتی ہے۔ وہ جس نے صبح کی روشنی میں کبھی اپنا نقاب نہیں
ہٹایا۔ اسے میرے ایشور! تیرے آگے میرے آخری لہجے میں لپٹا ہوا میرا
آخری تحفہ ہوگی۔

الفاظ اسکی محبت جیتنے کی کوشش میں ناکامیاب رہے ہیں۔ اور غیب
نے اس کی طرف اپنے بازو بے سود پھیلائے رکھے ہیں۔

میں اسے اپنے ہنانشانہ دل میں لئے دیں دیں میں پھرتا رہا ہوں۔
اور اسکے گرد میری زندگی کا عروج و زوال وقوع میں آیا ہے۔

میرے خیالات و اعمال، میری نیند، اور میرے خوابات پر حکمران ہو کر
بھی وہ تنہا اور جدا ہی رہی۔

بہت سے لوگوں نے میرے دروازے پر دستک دے کر اُسے مجھ
سے طلب کیا۔ مگر وہ مایوس واپس پھر گئے۔

دنیا میں کسی نے بھی اُسے روبرو نہیں دیکھ پایا۔ اور وہ اپنی تنہائی
میں تیری شناخت و اعتراف کی منتظر رہی۔

(ناظرین خود ہی اس بھارت کو بوجھنے کے لئے اپنے تخیل کو
پرواز کا کھلا موقع دیں)

(۶۶)

تو آسمان ہے اور آشیانہ بھی ہے۔
اے پھیل! آشیانہ میں یہ تیری ہی محبت ہے۔ جو روح کو انگوں آوازوں
اور خوشبوؤں میں لپیٹے رکھتی ہے۔

صبح اپنے واسنے لاتھ میں سنہری ٹوکری لئے ہوئے اور حسن کا ہار پہنے
ہوئے زمین کو تاج پہنانے کے لئے چپ چاپ آتی ہے۔
اور شام ان مرغزاروں کی طرف جنہیں مولشی چھوڑ گئے ہیں۔ بے سراغ
راہوں سے آئی ہوئی سکون کے مغربی سمندر سے اپنی سنہری مشکلی میں امن
کے ٹھنڈے گھونٹ لایا کرتی ہے۔

مگر جہاں روح کے پرواز کے لئے غیر محدود آسمان پھیل رہا ہے۔ وہاں

بے واع، سفید و خشتانی غالب ہو رہی ہے۔ وہاں نرون ہے نہ رات۔ نہ صورت ہے نہ رنگ۔ اور کبھی کسی لفظ کا گزر نہیں ہے۔

ابھاکوی جزو کل میں اسی سندر کے حسن و جمال کا दर्شن پاتا ہے۔ صبح کی سنہری ٹوکری شفق کی طرف اشارہ کرتی ہے اور امن کا سفر بی سمندر غروب آفتاب کی طرف۔ کیونکہ بات کو سب جاندار امن کی نیند سو جاتے ہیں ظہورات میں ہی اختلاف و تضاد ہے۔ ان سے پرے حقیقت میں کوئی تضاد ہے اور نہ اختلاف ہے۔ وہ ناقابل بیان ہے)

(۶۸)

تیری شعاع آفتاب بازو پھیلائے ہوئے میری زمین پر آتی ہے۔ اور دن بھر اسلئے میرے دروازے پر کھڑی رہتی ہے کہ میرے آنسوؤں آہوں اور گیتوں سے بنے ہوئے بادلوں کو تیرے چرنوں تک لے جائے۔ تو رُشوق مسرت کے ساتھ کہریلے بادل کی چادر کو اپنی ستاروں بھری چھاتی پر پیٹ کر اسے انگنت شکلوں میں بدلتا ہوا سدائے سے نئے رنگ یا کرتا ہے۔

چونکہ یہ اس قدر ہلکی۔ گزراں۔ پراشک اور سیاہ فام ہے۔ اس لئے تجھے پیاری لگتی ہے۔ تو شانت اور شدھ ہے۔ اس لئے یہ تیری مہیب سفید روشنی کو اپنے ورد آمیز سایوں کے ساتھ ڈھک سکتی ہے۔

صبح کی روشنی۔ دُھندلے بادل۔ مگاتار تبدیلی۔ رات کا تاریک شبنم

سے پُراشک، سُبک اور گزراں ہونا سب ہی پُر معنی دکھائی دیا ہے)

(۶۹)

وہی زندگی کی ندی جو دن رات میری رگوں میں دوڑ رہی ہے۔ ساری دنیا میں دوڑتی ہوئی تال کے ساتھ ناچ رہی ہے۔

یہ وہی زندگی ہے۔ جو فرطِ مسرت میں گھاس کی بے شمار پتیوں کی صورت میں خاکِ زمین سے ٹھوٹ کر پتوں اور پھولوں کی پُراشوب امواج میں پھیل جاتا ہے۔

یہ وہی زندگی ہے۔ جو پیدائش اور موت کے بحری جھولے کے اتار چڑھاؤ میں جھولا کرتی ہے۔

میں محسوس کرتا ہوں۔ کہ میرے اعضا عالمِ حیات کے لمس سے عظیم الشان ہو گئے ہیں۔ اور میرا فخر زمانوں کے اُس اہتزازِ حیات سے پیدا ہوتا ہے۔ جو اس لمحہ میرے خون میں رقص گناں ہے۔

رکل کائنات کے اندر ایک ہی زندگی اپنی خوشی کا ناچ ناچ رہی ہے۔ انسانی عظمت اسی بات میں ہے کہ وہ اس عالمگیر اور ابدی زندگی کو ہر آن اپنے اعضاء کے اندر دورانِ خون میں محسوس کر نیکی صلاحت رکھتا ہو)

(۷۰)

کیا یہ بات تیرے امکان سے باہر ہے کہ تو اس تال کی خوشی سے مسرور ہو؟ اس ڈراؤنی مسرت کے بھنور میں اُچھالا۔ کھویا۔ اور چکنا چور کر دیا جائے؟

تمام چیزیں آگے کو دوڑ رہی ہیں۔ وہ ٹھہرتی نہیں۔ مڑ کر نہیں دیکھتیں۔ کوئی طاقت انہیں پیچھے کی طرف نہیں لے جاسکتی۔ وہ بڑھی چلی جاتی ہیں۔

اُس بے قرار اور تیز رفتار راگ کے ساتھ تال رینے کے لئے موسم ناچتے ہوئے آتے اور چلے جاتے ہیں۔ رنگینیاں، نغمے اور خوشبوئیں، اُس جھپکتی ہوئی خوشی میں بے نہایت آلبشاروں میں بہ رہی ہیں جس کا کام بکسیرنا۔ دینا۔ اور ہر آن نابود ہو جانا ہے۔

(زندگی کی خوشی کا راز یہ ہے۔ کہ ہماری زندگی ساری دنیا کے ساتھ ایک تھل ہو کر اُس کے لئے خود کو قربان کر دے۔ اس دینے میں ہر آن نئی زندگی ہے۔ مظاہر زندگی میں سبق پیش کر رہے ہیں۔ یہ خوشی اپنا آپ دینے اور کھونے کی ہوتی ہے۔ لینے اور خود حفاظتی کے لئے نہیں۔ محبت اور خوشی اکٹھے رہے ہیں)

(۷۱)

تیری ایسی ہی مایا ہے۔ کہ میں اپنے آپ کو بہت اہمیت دیتا ہوں اس سے

سب طرف پھرایا کروں۔ اور اس طرح تیری تابندگی پر رنگدار سائے ڈالا کروں۔

تو اپنی ہستی پر ہی ایک حد لگا کر پھر اُس جدا شدہ ہستی کو۔ بے شمار سُروں سے بلاتا ہے۔ یہ تفریق بالذات ہی میری صورت میں نمودار ہو رہی ہے۔

سارے آسمان میں سے شدید پتھر مختلف رنگوں کے آنسوؤں سے مسکراہٹوں خطرے کی دھشتوں اور امیدوں کی صورت میں گوبلے رہائے لہریں اٹھتی ہیں۔ اور پھر ڈوب جاتی ہیں۔ خواب بگڑتے اور بنتے ہیں مجھ میں تیری ہستی کی اپنی شکست پائی جاتی ہے۔ یہ پردہ جو تو نے حائل کر رکھا ہے۔ دن اور رات کے برش کے ساتھ بے شمار لہجوں سے منقش کیا جا رہا ہے۔ اس کے پیچھے تیرا مقام ہے۔ جو اٹھناؤں کے عجیب و غریب اسرار سے بُنا ہوا خطوطِ مستقیم کی تمام روکاؤں کو دور پھینک رہا ہے۔

تیرا اور پیرا شاندار اور پر شکوہ منظر سارے آسمان میں پھیلا ہوا ہے۔ تیری اور میری سر کے ساتھ تمام ہوا تھڑا رہی ہے۔ اور تمام زمانے کچھے اور مجھے چھپانے اور ڈھونڈنے میں گزرے جاتے ہیں۔

خدا ہی بندے کی صورت اختیار کر کے اس کے ساتھ بہت کا پڑ مسرت، کبیل کھیلتا ہے۔ جو باپ کا ہے وہی بیٹے کا ہے۔ دراصل پرماننا اور آتما ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ جزو کے بغیر کلی

اور کل کے بغیر خرو بے معنی ہیں

(۷۲)

یہ وہی نہایت اندرونی ذات ہے۔ جو اپنے گہرے اور پوشیدہ لمس
کے ساتھ میری ہستی کو بیدار کرتی ہے۔

یہ وہی ہے۔ جو میری آنکھوں پر اپنا جادو ڈال کر میرے دل کی تاروں
کو سکھ اور دکھ کے تال کے ساتھ بجا پاتا ہے۔

یہ وہی ہے۔ جو اس مایا کے جال کو سنہری اور روپہری، نیلے اور سبز
عارضی رنگوں سے بنتا ہوا اُس کی تہوں میں سے اپنے چرنوں کی جھلک

دکھلاتا ہے۔ جنہیں چھوتے ہی میں اپنا آپ بھول جاتا ہوں۔
دن آتے ہیں اور زمانے گزر جاتے ہیں۔ مگر یہ سدا وہی کا وہی

ہے۔ جو میرے دل کو کئی ناموں۔ بھیسوں اور خوشی و غم کے ولولوں سے
حرکت دیا کرتا ہے۔

(شاعر اسے اپنی زندگی کے مرکز میں اور باہر چاروں طرف دیکھتا

ہے۔ سب ناموں۔ روپوں اور من کی بدلنے والی حالتوں میں ہی
موجود ہے)

(۷۳)

میری مکتی تیاگ میں نہیں ہے۔ میں تو خوشی کی ہزاروں قیود میں آزادی

سے بغل گیر ہوتا ہوں۔

تو ہمیشہ ہی میرے لئے مختلف رنگوں اور خوشبوؤں والی شراب کے
تازہ گھونٹ ٹپکاتا ہوا میرے ظرفِ خاک کی کو لبالب بھرا کرتا ہے۔
میری دنیا بھرے شعلے سے اپنے طرح طرح کے سینکڑوں چراغ روشن
کر کے بھرے مندر کی ویدی کے آگے بھینٹ کیا کرے گی۔

ہاں میرے تمام دھوکے تنویرِ مسترت میں بدل جائیں گے۔ اور میری
تمام خواہشات سچتہ ہو کر پریم کے پھولوں میں بدل جائیں گی۔

(محبت کی زندگی قیود میں ہی آزادی کی خوشی حاصل کرتی ہے۔
زندگی سے بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ زندگی کی پوری شگفتگی

پر ہمارا وہیم بھی معرفت میں اور ہماری حیوانی خواہشات روحانی
اور پاک محبت میں بدل جائیں گی)

(۴۷)

دن ختم ہو چکا ہے۔ زمین پر سایہ چھا گیا ہے۔ اب وقت ہے۔ کہ میں
ندی پر اپنی مسکی بھرنے جاؤں۔

شام کی ہوا۔ پانی کے مغموم راگ سے مشتاق ہو رہی ہے۔ اُف! یہ
مجھے تاریکی میں باہر بلاتی ہے۔ تنہا کوچے میں کوئی راہگیر نہیں۔ ہوا زور سے
چلنے لگی ہے۔ اور چھوٹی چھوٹی لہریں دریا میں شدت کے ساتھ اٹھ رہی
ہیں۔

میں نہیں جانتی کہ گھر واپس آنا بھی ہو گا یا نہیں۔ مجھے پتہ نہیں کہ مجھے
کس سے ملنے کا اتفاق ہو گا۔ وہاں پایاب پانی کے اندر شستی میں بیٹھا ہوا
کوئی نامعلوم شخص اپنی ستار بجارہا ہے۔

(۷۵)

تیرے عطیات ہم انسانوں کی تمام ضروریات کو پورا کرتے ہوئے کسی
طرح سے بھی نہ گھٹتے ہوئے پھر تیری طرف لوٹ جاتے ہیں۔ دریا کو اپنا
روزانہ کام کرنا پڑتا ہے۔ وہ کھیتوں اور بستیوں میں سے تیزی کے ساتھ
بہا چلا جاتا ہے۔ اس پر بھی اس کا لگاتار بہاؤ تیرے چرنوں کو دھونے کے
لئے چکر کھایا کرتا ہے۔

پھول ہوا کو اپنی خوشبو سے خوشگوار بنا دیتا ہے۔ لیکن اس کی
آخری خدمت اپنا آپ تیرے حوالے کر دینا ہے۔
تیری پرستش دنیا کو کنگال نہیں بناتی۔

شاعر کے الفاظ سے لوگ اپنی مرضی کے مطابق معنی نکالا کرتے ہیں
لیکن ان کے آخری معنی تیری طرف ہی اشارہ دیتے ہیں۔

(ہر شے کا انجام و مقصود وہی ذات ہے جس سے سب کا ظہور
ہو رہا ہے۔ آخری معنی جو انسان نکالتا ہے۔ وہ محبت اور خوشی

کے سوا کچھ نہیں۔ اور یہ معنی اُسی چٹمہ کل کی طرف اشارہ دیتے ہیں۔

(۷۶)

اے میری زندگی کے مالک! کیا میں روز بروز تیرے روبرو کھڑا ہوتا
رہوں گا؟ ہاتھ باندھے ہوئے۔ اے ساری دنیا کے مالک! کیا تیرے سن
مکھ کھڑا رہوں گا؟

عظیم آسمان کے نیچے، خلوت اور خاموشی میں متواضع دل کے ساتھ
کیا میں تیرے روبرو کھڑا ہوں گا؟

تیری اس پر محبت دنیا میں، جو مشقت اور جدوجہد سے پُر آشوب
ہو رہی ہے۔ جلد باز جمگھٹوں کے درمیان کیا تیرے سامنے کھڑا ہو گا؟
اور جب دنیا میں میرا کام ختم ہو چکے گا۔ اے راجاؤں کے راجا! کیا
میں اکیلا اور خاموش تیرے روبرو کھڑا رہوں گا؟

زنجبٹ کوئی اپنے دل کی اس گہری تمنا کو ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ
زندگی میں اور اس کے خاتمہ پر پڑھو کے سامنے سدا ہاتھ باندھے
ہوئے حاضر رہے۔

(۷۷)

میں تجھے اپنا پڑھو جان کر الگ کھڑا رہتا ہوں۔ تجھے اپنا جان کر تیرے
نزدیک نہیں آتا۔ تجھے باپ سمجھ کر تیرے قدموں کے آگے سر جھکاتا ہوں۔

مگر اپنے دوست کی مانند تیرا ہاتھ نہیں پکڑ لیتا۔
 میں وہاں جہاں تو بچے اتر کر اپنے آپ کو میرا اپنا بنا دیتا ہے کھڑا
 نہیں ہوتا کہ تجھے اپنے سے لگانا ہوا اپنے رفیق کے طور پر قبول کروں۔
 تو میرے بھائیوں کے درمیان بھائی ہے۔ مگر میں اُن کی طرف متوجہ
 نہیں ہوتا۔ میں اپنی کمائی کو اُن کے ساتھ بانٹتا ہوا تیرے ساتھ شریک
 کل نہیں ہو جاتا۔

سکھ میں اور دکھ میں میں لوگوں کے پہلو پر کھڑا نہ ہونے سے تیر
 قربت سے محروم رہتا ہوں۔ میں اپنی زندگی دینے سے جھجکتا ہوں۔
 اس لئے زندگی کے بحرِ عظیم میں کود نہیں سکتا۔

(ایشور کو مالک اور باپ سمجھ کر آداب بجالانا اُس کی قربت
 سے محروم رکھتا ہے۔ ہمارا تعلق اُس سے زیادہ نزدیک تر ہے۔
 اِس تعلق کی مثال دوست اور رفیق میں ملتی ہے۔ سوسائٹی سے
 دور رہ کر نہیں بلکہ سوسائٹی کے تعلق میں ہی وہ جانا جاسکتا ہے۔
 زندگی کو بچا کر رکھنے میں نہیں۔ بلکہ زندگی دینے میں ہی رازِ وصل
 نہاں ہے)

(۷۸)

جب دُنیا ہی بھٹی۔ آدھ سب ستارے اپنی ابتدائی شان سے ہمکار
 تھے۔ دیوتاؤں نے آسمان میں ایک مجلسِ قائم کی اور گایا۔ "آہ تصویرِ کمال !

بے آمیزش سپرور!

مگر ایک شخص اچانک چلا اٹھا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روشنی کی زنجیر کہیں نہ کہیں ٹوٹ رہی ہے۔۔۔۔۔ ایک ستارہ گم ہو گیا ہے۔" اُن کی ستارہ کا سنہری تار ٹوٹ گیا۔ اُن کا گانا بند ہو گیا۔ اور وہ ^{مشت} زوہ سو کر بوئے۔ "بے شک وہ گم شدہ ستارہ بہترین تھا۔ وہ کل آسمان کی شان تھا۔"

اُس روز سے اس کے لئے لگاتار تلاش ہو رہی ہے۔ اور ہر جگہ ایک شور برپا ہے۔ کہ اُس کے کھونے پر دنیا اپنی ایک خوشی کھو چکی ہے۔ صرف رات کی عمیق ترین خاموشی میں ستارے مسکراتے ہوئے، آپس میں سرگوشی کرتے ہیں۔ "یہ تلاش فضول ہے۔ سب کے اوپر غیر منقطع کمال چھا رہا ہے۔"

(کئی بار ہمیں صو کا ہونا ہے۔ کہ کسی مہاپرش کی وفات پر دنیا کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ درحقیقت یہ دنیا سدا ہی کامل (پورن) ہے کیونکہ اس سے ذاتِ کاملہ (پورن) کا ظہور ہے)

(۷۹)

اگر اس زندگی میں تجھ سے ملنا میری قسمت میں نہیں ہے۔ تب مجھے محسوس کرنے دے۔ کہ میں تیرا دشمن کھو بیٹھا ہوں۔ یہ بات مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی خاموش نہ ہونے دے۔ میں اپنے خواب اور اوقاتِ بیداری میں اس

درِ غم کی ٹیس اپنے ساتھ لئے پھروں۔ جب اس دُنیا کے پُرانبوہ بازار میں
زندگی کے دن کاٹتے ہوئے میرے ہاتھ روزانہ منافعات سے پُر ہو جائیں
تب میں سدا یہی محسوس کیا کروں۔ کہ میں نے کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔ میں
اس بات کو ایک لمحہ کے لئے بھی نہ بھولوں۔ اور اس درِ غم کی ٹیسوں کو خواب
اور اوقاتِ بیداری میں ساتھ لئے رہوں۔

جب میں تھک کر لبِ سڑک پر ہانپتا ہوا بیٹھتا ہوں۔ جب میں خاک
پر اپنا بستر بچھاتا ہوں۔ میں سدا یہی محسوس کیا کروں۔ کہ ابھی طویل سفر میرے
سامنے ہے۔ میں اس بات کو ایک لمحہ کے لئے بھی فراموش نہ کروں۔ اور
درِ غم کی ٹیسوں کو خواب اور اوقاتِ بیداری میں ساتھ لئے پھروں۔
جب میرے کمرے سچ رہے ہوں۔ منبری بج رہی ہو۔ اور تھکے بلند
ہو رہے ہوں۔ میں اس بات کو سدا محسوس کیا کروں۔ کہ میں نے کچھ اپنے
گھر میں دعوت نہ دی۔ میں ایک لمحہ کے لئے بھی بھول نہ جاؤں۔ غم کا درد
شدید خواب اور اوقاتِ بیداری میں میرے ساتھ رہے۔

رہنما اور بے حس ہو جانا زندگی کے خلاف سب سے بڑا گناہ ہے
کم از کم اپنی کمیوں اور اُن کے درد کو شدت کے ساتھ محسوس تو کیا
کرے۔ ذی بصیرت شاعر زندگی کی سب سے بڑھ کر قابلِ احساس
کمیوں کو بیان کرتا ہے۔ محبوب کے دیدار سے محروم رہنا یا دنیوی
دولت پا کر مطمئن ہو رہنا۔ یا آئندہ سفر کی ہوش نہ رہنا۔ یا اس الہی
دولت کو اپنے جشنِ زندگی میں دعوت نہ دینا (

اے میرے سدا شاندار سورج !

میں خزان کے بادل کے اُس سپن ماندہ ٹکڑے کی مانند ہوں۔ جو صبح کے وقت آسمان میں پھر رہا ہو۔ تیرا لمس اب تک میرے بخار کو تحلیل کر کے مجھے تیری روشنی کے ساتھ ایک میک نہیں کر سکا۔ اور اس طرح میں تجھ سے منقطع رہ کر مہینے اور سال گنا کرتا ہوں۔

اگر تیری خواہش اور تیری موج ہو۔ تب میری اس ناپائیدار خلا کو لے کر اُسے رنگوں سے رنگ دے۔ اس پر سونا چڑھا کر اُسے من موجی ہوا پر تیراتے ہوئے اُسے طرح طرح کے عجائبات کی صورت میں پھیلا دے۔ اور پھر جب تیری خوشی اس بات میں ہوگی۔ کہ اس کھیل کو ختم کر دیا جائے۔ تب میں تحلیل ہو کر تاریکی میں غائب ہو جاؤں گا۔ یا شاید سفید صبح کی مسکراہٹ میں یا شفاف پاکیزگی کی ٹھنڈک میں جذب ہو جاؤں گا۔

(شاعر کی تمنا یہی ہے کہ اُس کی عارضی اور بے غور ہستی کو اُس کا مالک اپنے کھیل کے لئے جس طرح چاہے۔ کام میں لائے۔ موت پر ہمارا ہی ہستی ختم ہونے کی بجائے غالباً ہم نورانی خوشی اور پُر راحت پاکیزگی میں نئی زندگی حاصل کریں گے)

بہت دنوں سے میں اپنے صنائع شدہ وقت پر افسوس کرتا رہا ہوں۔ مگر آئے

میرے پر بھو! وہ کبھی ضائع نہیں ہوا۔ تو نے میری زندگی کے ہر لمحہ کو داہنے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔

چیزوں کے دلوں میں تو چھپ کر بچوں کو سوؤں (انکڑوں)۔ کلیوں کو پھولوں میں نشوونما دیتا ہوا۔ پھولوں کو پھولوں کی تختگی بخش رہا ہے۔ میں تنہا کر اپنے بستر پر سست سویا ہوا یہ سوچ رہا تھا کہ میرا سب کام ختم ہو چکا ہے۔ لیکن میں نے صبح اٹھ کر دیکھا کہ میرا باغ پھولوں کے عجائبات سے بھرپور ہو رہا ہے۔

(زندگی ہماری نادانی اور بے خبری میں بھی اپنا کام کئے جا رہی ہے۔ بیج کو انکر۔ مٹی کو پھول اور پھول کو پھل بننے کی خبر نہیں ہوا کرتی۔ نیند میں بھی زندگی کام کرتی رہتی ہے۔ اور ہم جاگنے پر اپنے اندر نئی اور تازہ زندگی پاتے ہیں)

(۸۲)

اے مالک!

تیرے پاس لا انتہا وقت ہے۔

کوئی بھی تیرے لمحات کو شمار کرنے والا نہیں۔

دن اور رات گزرتے ہی جاتے ہیں۔ زمانے پھولوں کی مانند کھل کر مڑھتا

جاتے ہیں۔ تو جانتا ہے کہ کیسے انتظار کرنا چاہیے۔

ایک چھوٹے سے جنگلی پھول کی مکھیل کے لئے تیری صدیاں یکے بعد دیگرے

گزر جاتی ہیں۔

ہمارے پاس کوئی وقت نہیں کہ اسے ضائع ہونے دیں۔ اور وقت نہ ہونے کی وجہ سے ہم اپنے موقعوں کے لئے جدوجہد کرنی ہوگی۔ ہم اس قدر مفلس ہیں کہ تاخیر نہیں کر سکتے۔

اس طرح سماں گزرتا چلا جا رہا ہے۔ جبکہ میں اسے ہر ایک شخص کو دے دیتا ہوں۔ جو اس کے لئے مطالبہ کرتا ہے۔ اور تیری قربانگاہ آخری دم تک خذراؤں سے خالی رہتی ہے۔

دن کے لئے خاتمے پر میں اسی ڈر کے مارے جلدی کرتا ہوں۔ کہ کہیں تیرا دروازہ بند نہ ہو جائے۔ مگر میں دیکھتا ہوں۔ کہ ابھی وقت ہے۔
 ایشور کے کاموں میں وقت کا سوال ہی نہیں۔ وہاں ایک چھوٹے سے پھول کے ارتقا کے لئے بھی زمانے گزر جاتے ہیں۔ مگر انسانی زندگی کا معیار وقت اور ہے۔ یہاں ایک ایک لمحہ بچانا پڑتا ہے۔
 کیونکہ اس کا زمانہ محدود ہے۔

(۸۳)

اے ماں! میں اپنے غم کے آنسوؤں سے تیرے گلے کے لئے موتیوں کی مالا تیار کروں گا۔

ستاروں نے تیرے پاؤں کو سجانے کے لئے اپنی روشنی سے پازیبیں بنا رکھی ہیں۔ مگر میرا تیار کردہ زیور تو تیرے سینے کے لئے ہوگا۔

دولت اور شہرت تجھ سے میسر آتے ہیں۔ اور یہ تیری مرضی ہے۔ کہ انہیں
 دے یا نہ دے۔ مگر میرا یہ غم بالکل اپنا ہی ہے۔ اور جب میں اسے تیرے آگے
 بھینٹ کرنے کے لئے لاؤں گا۔ تو اس کے بدلے مجھے انعامِ رحمت دے گا۔
 (غمِ فرقت کے آنسو محبت کو پالتے ہیں۔ ستاروں نے پازیب تیار
 کی ہے۔ کیونکہ ان کا حسن مادی اور جسمانی ہے۔ مگر میرے جذبات کا زیور
 تو سینے سے تعلق رکھتا ہے۔ اپنی ہی چیز کو بھینٹ کرنے میں مزا ہے۔
 خواہ وہ چیز غم اور درد ہی کیوں نہ ہو۔)

(۸۴)

تیرا دردِ فراق ہی ساری دنیا میں پھیل کر آسمان میں انگنت فضاوں کو جہنم

دیتا ہے۔

یہ غمِ فرقت ہی سب ستاروں میں خاموشی کے ساتھ رات بھر تکتا رہتا ہے
 اور بولائی کی برساتی تاریکی میں سرسرااتے ہوئے پتوں کے درمیان غنا (نغمہ)
 بن جاتا ہے۔

میں پھیلا ہوا درد ہی گہرا ہو کر خواہشوں، اُفتوں اور انسانی گھروں میں
 دکھوں اور سکھوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور یہی درد ہے جو گھیل کر
 ہمیشہ میرے شاعرانہ دل سے بہا کرتا ہے۔

(حقیقت بین شاعر نے زندگی میں درد کی قیمت کو بیان کیا ہے)

(۸۵)

جب مالک کے دربار سے یو دھا لوگ باہر آئے۔ تب انہوں نے اپنی طاقت کو کہاں چھپا رکھا تھا؟ ان کی زرہ بکتر اور اسلحہ کہاں تھے؟ وہ غریب اور بیکس معلوم ہوتے تھے۔ اور وہ جس دن باہر آئے۔ ان پر مالک کے دربار سے تیروں کی برکھا کی گئی۔ اور جب وہ یو دھا لوگ پھر اپنے مالک کے دربار کو لوٹے۔ انہوں نے اپنی طاقت کہاں چھپا لی تھی؟ انہوں نے تلوار اور نیز و کمان کو پھینک دیا تھا۔ ان کی پیشانیوں پر شانتی اور امن برسمتے تھے۔ اور جس روز سے انہوں نے اپنے مالک کے دربار کو بازگشت کی تھی۔ اسی روز سے ہی وہ اپنی زندگی کے اٹار کو پیچھے چھوڑ چلے گئے۔

(مصائب و آفات کے تیروں کی برکھا ہی انسانی طاقت کو بیدار کر کے اسے بدی کے ساتھ جنگ کے قابل بناتی ہے۔ لیکن جب بدی کا مقابلہ کرنے والے لوگ اپنا کام کر چکے ہیں۔ تو وہ اپنے کاموں کے نتائج کا خیال چھوڑ کر دلی تسکین اور اطمینان کے ساتھ اپنے مالک کے دربار کی طرف رجوع کرتے ہیں)

(۸۶)

تیری خاموش موت: پیرے دروازے پر آکھڑی ہے۔ اُس نے نامعلوم

سمند کو غبور کر کے مجھ تک تیرے بلاوے کا سندس پہنچا دیا ہے۔
 رات ڈراؤنی ہے۔ اور میرا دل دشت زدہ۔ لیکن اس پر بھی میں چراغ
 ہاتھ میں لئے اپنے دوار کھول دوں گا۔ اور سر جھبکائے ہوئے اُسے خوش آمدید
 کہوں گا۔ یہ تیرا پیامبر ہے۔ جو میرے دروازے پر کھڑا ہے۔
 میں ہاتھ جوڑ کر آنسوؤں سے اُسکی پوجا کروں گا۔ اور اپنے دل خزانے
 کو اُس کے قدموں میں بھینٹ کر کہ اُس کی پرستش کروں گا۔
 وہ اپنا پیام دے کر واپس جاتا ہوا میری صبح پر ایک تاریک سایہ
 چھوڑ جائے گا۔ اور میرے اُجڑے ہوئے گھر میں صرف میری تنہا خود
 تیری آخری نذر کے لئے رہ جائے گی۔

(زندگی کی مانند موت بھی خوش آمدید کہنے کے لائق ہے۔ اُسے بھی
 زندگی دینے والے مالک کی طرف سے جان کر اُس کی پرستش کرنی چاہیئے۔
 جب تک موت کا ڈر موجود ہے۔ تب تک زندگی صفت حیوانی سے
 اوپر نہیں اٹھ سکتی)

(۸۷)

ایک من چلی آس۔ لے کر میں جاتا ہوں۔ اور اپنے کمرے کے کونے کونے
 میں اُسے تلاش کرتا ہوں۔ لیکن اُسے نہیں پاتا۔
 میرا گھر چھوٹا ہے۔ اور جو شے اس سے ایک دفعہ نکل چکی ہے۔ پھر
 کبھی واپس نہیں آتی۔

مگر اے مالک ! تیرا محل لا محدود ہے۔ اور میں اس کی تلاش میں تیرے
دوار پٹایا ہوں۔

تیرے شام کے سنہری شامیانے کے نیچے کھڑا ہو کر میں اپنی پُراشتیاق
آنکھوں کو تیری طرف اٹھاتا ہوں۔

میں ابدیت کے کنارہ پر پہنچ گیا ہوں جس سے کوئی امید۔ کوئی خوشی۔
آنسوؤں میں سے دیکھا ہوا چہرہ۔ کوئی شے بھی معدوم نہیں ہو سکتی
اوہ ! میری زندگی کو اُس سمندر میں ڈلو دے۔ اُسے عمیق ترین معموری
میں غرق کر دے۔ مجھے کائنات کی کلیڈن میں کھوئے ہوئے شیریں مس کو
ایک دفعہ محسوس کرنے دے۔

(نقصان اور فنا محدود (الپ) کے لئے ہے۔ غیر محدود (بھوما)
کے لئے نہیں۔ غیر محدود لافانی ہے۔ اس میں جو کچھ ہے۔ وہ بھی غیر فانی
ہے۔ اُس سے کوئی شے کبھی بھی الگ نہیں ہو سکتی۔)

(۸۸)

اُجڑے ہوئے مندر کے دیوتا !
دُنیا کی ٹوٹی پھوٹی تاریں تیری حمد کا گیت نہیں گاتیں۔ شام کے گھنٹے
تیرے وقت پرستش کا اعلان نہیں کرتے۔ تیرے ارد گرد کی ہوا ساکن
اور خاموش ہے۔
تیرے سونے گھر میں آوارہ گرد نسیم بہار می آکر پھولوں کی خوشخبری

لاقی ہے۔ اُن پھولوں کی جو آبِ تیری پرستش میں بھینٹ نہیں کئے جاتے۔
 تیرا پُرانا پوجاری تیرے اُس لطف کی دائمی طلب میں بھٹک رہا ہے جس
 سے اب بھی انکار ہو رہا ہے۔ شام کے وقت جب روشنیاں اور سائے گرد کی
 تاریکی کے ساتھ گھل مل جاتے ہیں۔ وہ بھوکے دل سے تھکا ماندہ تیرے
 ویران مندر میں واپس آتا ہے۔

اے سونے مندر کے دیوتا! بہت سے تیوہار خاموشی میں تیرے ہاں
 آیا کرتے ہیں۔ اور پوجا کی کئی راتیں گزر جاتی ہیں اور کوئی چراغ نہیں
 جلتا۔

قنوں لطیفہ کے ماہرین نے بہت سی نئی مورتیاں تیار کی ہیں۔ اور وقت
 آنے پر وہ خاموشی کی پوتر ندی میں بہا دیکھتی ہیں۔
 صرف اُجڑے مندر کا دیوتا ہی غیر فانی بے التفاتی میں غیر معبود حالت
 میں باقی رہتا ہے۔

(۸۹)

میرے آقا کی یہی خواہش ہے کہ اب میں مزید پُرشور اور اونچے لفظوں
 کا استعمال نہ کیا کروں۔ آج سے میں کانا پھوسی کیا کروں گا۔ اور میرے دل
 کا کلمہ لغم لغم کی گنگناہٹ میں جاری رہے گا۔
 لوگ شاہی بازار کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ سب خرید و فروخت کرنے والے
 وہاں موجود ہیں۔ لیکن مجھے دوپہر کے وقت جبکہ کام کا بہت زور ہوتا ہے

بے وقت چھٹی ملی ہے۔

میرے بلخ میں پھولوں کو کھلنے دو۔ اگرچہ اُن کا وقت نہیں ہے۔ اور
دوپہر کی شہد کی مکھیوں کو اپنی جھنجھٹا ہٹ کرنے دو!
میں نے نیکی اور بدی کے جھگڑے میں بہت سے گھنٹے خرچ کئے ہیں
اب میرے خالی دنوں کے ساتھی کی یہی تمنا ہے۔ کہ وہ میرے دل کو اپنی طرف
جذب کرے۔ اور میں نہیں جانتا کہ یہ اچانک بلاوا کس لئے ہے۔ اور کس
فضول بے تکے پن کی طرف۔

روحانی ترقی کا انجام خاموشی ہے۔ اس کا رخ عمل سے دل کی طرف
ہے۔ نیکی اور بدی کی بحث ایک عقلی چیز ہے۔ عشق اس تضاد سے اوپر
ہے۔ اور دل کی کشش سے تعلق رکھتا ہے۔ اور بیرونی قواعد و رسوم
میں مقید نہیں ہو سکتا۔

(۹۰)

جب ایک روز موت تیرے دروازے پر دستک دیگی۔ تو اُس کے آگے
کیا بھینٹ کریگا؟

اوہ! میں اپنے مہمان کے آگے اپنی زندگی کا اہلب بھرا ہوا برتن رکھ
دوں گا۔ اُسے کبھی خالی ہاتھ نہ جانے دوں گا۔

میں اپنے تمام ایام خزاں و شہائے گرما کے خوشگوار فصل، اور اپنی
مصروف زندگی کی کامیوں اور خوشہ چینیوں کو اپنی عمر کے خاتمے پر اُس کے

آگے رکھ دوں گا۔ جب کہ موت میرے دروازے پر دستک دے گی۔
 (موت سے خوف و گریز بیمار زندگی کی علامت ہے۔ صحیح زندگی موت
 کی آمد پر ناقابل بیان مسرت محسوس کرتی ہے۔ اور خوشی خوشی اپنا سب کچھ
 موت کے حوالے کر دینے کے لئے سدا تیار رہتی ہے۔)

(۹۱)

اے موت! میری زندگی کا انتہائی کمال! میری موت آ۔ اور میرے ساتھ
 سرگوشی کر۔

میں روز بروز تیری تاک میں چلا آتا ہوں۔ تیرے لئے ہی میں نے زندگی
 کی خوشیوں اور شدید دردوں کو برداشت کیا ہے۔
 خلوت کی گہرائی میں میں جو کچھ ہوں یا رکھتا ہوں۔ جس کی آس ہے۔ اور
 جس سے پیار ہے۔ سب کا سب تیری طرف ہی بہتا (مائل) رہا ہے۔ تیری آنکھوں
 سے بس ایک آخری نگاہ درکار ہے۔ اور میری زندگی ہمیشہ کے لئے تیری پنی
 ہو جائے گی۔

پھول پروئے جا کر دُلہا کے لئے ہار تیار ہو چکا ہے۔ شادی ہو چکنے پر
 دُلہن اپنا گھر چھوڑ کر رات کی خلوت میں صرف اپنے خاوند کے ساتھ بیٹھی۔

(دُلہن رُوح ہے۔ رات کی خلوت سے مراد نامعلوم زندگی میں داخل
 ہو کر پیچھے تمام تعلقات کا منقطع ہو جانا ہے۔ موت اس زمینی زندگی
 کا خاتمہ نہیں بلکہ کمال ہے۔ اور زندگی کا کل تجربہ اس انتہائی کمال

(۹۲)

میں جانتا ہوں کہ ایک دن آئے گا۔ جب میں اس زمین کا نظارہ کھو بیٹھوں گا اور زندگی میری آنکھوں پر آخری نقاب ڈال کر خاموشی میں رخصت ہو جائے گی۔

لیکن ستارے رات کے وقت تکا کریں گے۔ صبح ہوتی رہے گی۔ اور اوقات امواج بحر کی مانند خوشی اور درد کی صورت میں ابھرتے ہی رہیں گے۔

جب میں اپنے لمحات کے اس انجام پر غور کرتا ہوں۔ تب لمحات کا پردہ ٹوٹ جاتا ہے اور میں موت کی روشنی میں تیری دنیا کو اس کے بے نیاز خزانوں کے ساتھ دیکھتا ہوں۔ اس کا اونٹے ترین مقام بھی نایاب ہے۔ اور اس کی اونٹنی ترین زندگی بھی ناور ہے۔

میں جن چیزوں کے لئے فضول شمار رکھتا تھا۔ اور جو میں نے حاصل کی ہے۔ انہیں گزر جائے دو۔ مجھے ان چیزوں کو سچ مح حاصل کرنے دو۔ جن پر میں لات مارتا۔ اور جنہیں نظر انداز کرتا رہا ہوں۔

(میں اس دنیا میں نہ ہونگا۔ مگر یہ دنیا جوں کی توں رہے گی۔ اور جب موت کی روشنی میں اس دنیا کو بے خود نظر سے دیکھا جاتا ہے تب بے بہا اور بے انداز خزانوں سے پر نظر آنے لگتی ہے۔ تبھی

یہ راز کھلتا ہے کہ اس دنیا میں کسی جگہ اور کسی بھی درجہ کی زندگی ایک نایاب
تحفہ ہے۔ موت کی روشنی میں پتہ لگتا ہے کہ دراصل وہی اشیاء قابل
قدر ہیں جنہیں ہم نظر انداز کیا کرتے ہیں۔ اور جن کی پرواہ نہیں رکھتے۔

(۹۳)

مجھے چھٹی مل گئی ہے۔ اے بھائیو! مجھے الوداع کہو۔ میں تم سبھی کو منسکارد
کرتا ہوا رخصت ہوتا ہوں۔

لیجئے۔ میں اپنے مکان کا سب دعویٰ چھوڑ کر چا بیاں واپس کرتا ہوں
میں صرف تم سے مہربانی کے آخری الفاظ چاہتا ہوں۔

ہم مدتوں پڑوسی رہے۔ مگر میں نے جو کچھ دیا۔ اُس سے بہت زیادہ لیا
اب دن ہونے لگا ہے۔ وہ لمپ جو میرے تار یک کمرے کو روشن کرتا تھا۔
بجھ گیا ہے۔ پیام سفر آ گیا ہے۔ اور میں اپنے سفر کے لئے تیار ہوں۔

(۹۴)

میرے دوستو! اس جدائی کے وقت مجھے آشیر باد دو۔ آسمان نورِ صبح
سے جگمگا رہا ہے۔ اور میرا راستہ خوبصورت ہے۔

مجھ سے یہ مت پوچھو۔ کہ میں وہاں لیجانے کے لئے کیا کچھ رکھتا ہوں۔ میں
اپنا سفر خالی ہاتھوں اور پُر توقع دل سے شروع کرتا ہوں۔

میں اپنا شاوی کا ہار پن لونگا۔ میرا لباس مسافر کی مانند گبر و انہیں۔

اور اگرچہ میرا راستہ پر خطر ہے۔ مگر میرے دل میں کوئی خوف نہیں۔
 جب میرا سفر ختم ہو چکے گا۔ شام کا ستارہ طلوع ہو گا۔ اور شاہی دروازہ
 سے شام کی راگینیوں کے دلگداز نغمے نکلنے شروع ہونگے۔
 (مرنے کا چاؤ بیان کیا گیا ہے)

(۹۵)

مجھے اس لمحہ کی کوئی سُدھ بُدھ نہ تھی۔ جب میں نے پہلے پہل اس زندگی
 کی دہلیز سے عبور کیا تھا۔

وہ کون سی طاقت تھی جس نے مجھے جنگل میں آدھی رات کے وقت غنچے
 کی مانند اس وسیع راز میں کھلا دیا۔

جب صبح سویرے میں نے روشنی پر نگاہ ڈالی۔ تب میں نے ایک لمحہ
 کے اندر محسوس کر لیا۔ کہ ایک مہم و ادراک سے خارج۔ بے اسم و بے صورت
 ہستی نے ہی مجھے اپنی ماں کے رُوپ میں اپنی آغوش میں لے رکھا ہے۔

اسی طرح بوقتِ مرگ بھی وہی نامعلوم مجھے ہمیشہ ہی معلوم کی صورت
 میں نمودار ہو گا۔ اور چونکہ مجھے اس زندگی سے محبت ہے۔ میں جانتا ہوں۔ کہ
 موت بھی مجھے پیاری ہوگی۔

بچہ چلا اُٹھتا ہے۔ جبکہ ماں اُسے اپنی داہنی چھاتی سے صرف اس لئے
 جدا کرتی ہے۔ کہ وہ اگلے لمحے میں بائیں طرف کی چھاتی میں تسکین پائے۔

اماں میں براہِ راست اس حقیقت کو دیکھنا نہایت ہی قیمتی روحانی مشاہدہ

ہے۔ بے صورت راز ہی کل صورتوں میں ظہور پذیر ہو رہی ہے۔
 ماں کی چھاتیوں کی پُر معنی اور خوبصورت مثال سے موجودہ اور اگلی زندگی
 کے درمیانی وقفہ کو موت بتلایا ہے۔ موت نئی زندگی کا آغاز ہے۔

(۹۶)

جب میں یہاں سے کوچ کروں۔ تب میرے آخری الفاظ یہ ہوں۔ کہ میں
 نے زندگی میں جو کچھ بھی دیکھا ہے۔ اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا۔
 میں نے اس کنول کے گپت شہد کو چکھا ہے۔ جو روشنی کے سمندر پر پھیل
 رہا ہے۔ اسلئے میں وحشیہ (شاد کام اور مسرور ہوں۔ یہی میرے الوداعی
 الفاظ ہوں۔

بے انتہا صورتوں کے اس کھیل گھر میں میں نے اپنا کھیل کھیلا ہے۔
 اور میں نے اس کا درشن پایا ہے۔ جو بے صورت ہے۔
 میرے جسم اور میرے تمام اعضا نے اس زندگی کے مس کی تھڑ تھڑا ہٹ
 محسوس کی ہے۔ جلوس سے پُر ہے۔ اور اگر یہیں خاتمے کا وقت آتا ہے۔ تو
 آئے۔ یہی میرے آخری الفاظ ہیں۔

(زندگی کا ہر ایک تجربہ بے نظیر و لاشافی ہے۔ اور جینا ایک برکت اور
 سرور کی چیز ہے۔ تمام صورتوں میں وہی بے صورت جلوہ گر ہے۔ اور سب
 کے چھوٹے میں وہی بالاتر از لمس (اسپرش) ہی چھو یا جاتا ہے۔)

(۹۷)

جب میں تیرے ساتھ کھیل رہا تھا۔ میں نے کبھی نہ پوچھا تھا کہ تو کون ہے۔ میں نہ شرم رکھتا تھا اور نہ ڈر۔ میری زندگی پر شور مچتی تھی۔
صبح سویرے تو میرے اپنے رفیق کی مانند مجھے نیند سے جگا کر راستوں
راستوں میں لئے پھرتا تھا۔

اُن دنوں میں نے کبھی ان گیتوں کے معنی معلوم کرنے کی خواہش نہ کی تھی۔ جو تو مجھے سنایا کرتا تھا۔ صرف میری آواز تیری سُروں کی نقل کیا کرتی تھی۔ اور میرا دل اُن کے نال کے ساتھ ناچنے لگتا تھا۔
اب جبکہ کھیل ختم ہو چکا ہے۔ یہ کیا ناگہانی منظر ہے۔ جو میرے سامنے آگیا ہے کہ دُنیا اپنے تمام خاموش تاروں کو لئے عالمِ خیر میں اپنی آنکھیں
تیرے قدموں کی طرف جھکائے کھڑی ہے۔

(جسمانیت کا پرودہ دُور ہونے پر موت کے وقت دیدارِ حقیقت ہوتا ہے۔

ساری کائنات پر حیرت ہے۔ اور اُس کے قانون کی مطیع ہے۔)

(۹۸)

میں تجھے نشاناتِ نصرت اور شکست کے ماروں سے سجاؤں گا۔ یہ بات
کبھی میری طاقت میں نہیں کہ بغیر مسخر ہوئے (تیری نگاہ سے) بچ کر نکل جاؤں
میں یقینی طور پر جانتا ہوں کہ میرا فخر مٹ جائے گا۔ میری زندگی
دردِ شدید میں اپنی قیود کھو بیٹھے گی۔ اور میرا خالی دل بالسرری کی مانند

سُک سُبک کر گانے لگے گا۔ اور پتھر آنسوؤں میں گھل جائے گا۔
 میں نصرتینا جانتا ہوں۔ کہ کنول کی سینکڑوں پنکھڑیاں ہمیشہ کے لئے
 بند نہ رہیں گی۔ اور اسکی شہد کا پوشیدہ چور اپنے گھر میں بے حجاب ہو
 جائے گا۔

نیلے آسمان سے ایک آنکھ مجھے دیکھے گی۔ اور چپکے سے بلائے گی۔ میرے
 لئے کچھ باقی نہ رہے گا۔ کچھ بھی نہیں اور میں تیرے چہلوں میں صرف موت
 سے بہرہ ور ہوں گا۔

(موت کے سسے صرف موت کا ہی پر سا دھسے۔ دل بالکل خالی ہو اور
 دنیوی تمناؤں سے پاک ہو)

(۹۹)

جب میں پتوار کو چھوڑتا ہوں۔ میں جانتا ہوں۔ کہ وہ وقت آن پہنچا
 ہے۔ کہ تو اُسے سنبھال لے گا۔ وہاں جو کچھ کرنا ہے۔ فوراً ہو جائے گا۔ یہ
 جدوجہد فضول ہے۔

اے دل! تو اپنے ہاتھ ہٹا لے اور اپنی شکست کو خاموشی کے ساتھ
 برداشت کر۔ اور اسے اپنی خوش قسمتی خیال کر۔ کہ جہاں تجھے بٹھایا گیا ہے
 وہاں تو بالکل ہی بے حرکت ہو کر بیٹھ رہا ہے۔

میرے چراغ ہوا کے ہر ایک ننھے سے جھونکے سے بجھ جایا کرتے ہیں
 اور انہیں دوبارہ جلانے کی کوشش میں میں اور سب کچھ بھول جایا کرتا

ہوں۔

مگر اب کے میں عقل مندی سے کام لوں گا۔ اور فرش پر چٹائی بچائے ہوئے
تاریکی میں منتظر رہوں گا۔ اے مالک! جب تیری خوشی ہو۔ چپکے سے آکر اپنے
آسن پر بیٹھ جا۔

(اتم بسمین (خود سپردگی) کا بیان ہے)

(۱۰۰)

میں صورتوں کے سمندر کی گہرائی میں اس لئے غوطہ لگاتا ہوں۔ تاکہ وہ
بے صورت موتی میرے ہاتھ لگ جائے۔

اب میری موسموں سے خستہ کشتی ایک بندر گاہ سے دوسرے بندر گاہ
کی طرف سفر نہ کرنے پائے گی۔ وہ دن مدتوں پہلے گزر چکے۔ جبکہ میرا شغل لہروں
کے اوپر ادھر ادھر پھینکنے اور اُچھا لے جانا تھا۔
اب میں لافانی کے اندر مرنے کا مشتاق ہوں۔

اختاہ غار کے پاس سامعین کے کمرۂ عظیم میں جہاں خاموش تاروں
کا راگ گونج رہا ہے۔ میں اپنی زندگی کی ستارہ کو لے جاؤں گا۔

میں اسے غیر فانی نعموں کے ساتھ ایک سر کرؤں گا۔ اور جب یہ اپنا آخری
بسکلی بھرا راگ نکال چکے گی۔ تب میں اپنی خاموش ستارہ کو خاموش کے
قدموں پر دھروں گا۔

(موت کے لئے تیاری کا گیت ہے)

(۱۰۱)

میں اپنی زندگی میں ہمیشہ تجھے اپنے گیتوں سے ڈھونڈتا رہا ہوں۔ یہی مجھے
 در بدر پھراتے رہے ہیں۔ ان راگوں کی بدولت ہی میں نے اپنی دنیا کو ڈھونڈ
 اور چھوئے میں تجھے اپنے ہر طرف محسوس کیا ہے۔
 یہ میرے گیت ہی تھے جنہوں نے مجھے وہ سب سبق سکھائے۔ جو میں
 نے سیکھے ہیں۔ انہوں نے مجھے پوشیدہ راستے دکھائے۔ اور انہوں نے
 میرے دل کے اُفق پر کئی ستاروں کو لا کر اُن کا مشاہدہ کرایا۔
 وہ سارا دن ہی سکھ و دکھ کے دیس کے رازوں کی طرف میری رہنمائی
 کرتے رہے ہیں۔ اور آخر کار بوقتِ شام میرے سفر کے خاتمے پر وہ مجھے
 کس شاہی محل کے دروازے پر لے آئے ہیں؛

(شاعر اقرار و اعلان کرتا ہے۔ کہ اس زندگی میں اس نے جو کچھ بھی
 روشنی، خوشی اور کامیابی حاصل کی ہے۔ وہ اس کے گیتوں کی بدولت
 تھی۔ گیت ہی دنیا میں کشفِ حقیقت کا قدرتی سہل ترین اور بہترین
 ذریعہ ہے۔)

(۱۰۲)

میں لوگوں کے درمیان فخر سے کہتا رہا۔ کہ میں تجھے جانتا ہوں۔ وہ میرے
 تمام کاموں میں تیری تصاویر دیکھتے ہیں۔ وہ آکر مجھ سے دریافت کرتے
 ہیں۔ "وہ کون ہے؟" میں نہیں جانتا۔ کہ کیا جواب دوں۔ میں کہتا ہوں۔

”در اصل، میں نہیں کہہ سکتا۔“

وہ مجھے قصور وار ٹھہرا کر، مجھے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ اور تو وہاں بیٹھے ہنسا کرتا ہے۔

میں نے تیری کھٹاؤں کو غیر فانی گیتوں میں گایا ہے۔ اور میرے دل کا راز اچھل اچھل کر باہر آتا ہے۔ وہ آکر پوچھتے ہیں۔ ”اپنے سب معافی کرو۔“ میں کہتا ہوں۔ ”کون جانتا ہے کہ ان کا مطلب کیا ہے؟“ وہ ہنس کر مجھے حقارت سے دیکھتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ اور تو وہاں بیٹھے کر ہنسا کرتا ہے۔

(جو جانتا ہے۔ وہ کہہ نہیں سکتا۔ جو کہنے میں دلیر ہے۔ وہ جانتا ہی نہیں۔ جب ان نظموں کے معانی کو خود شاعر نہیں بتلا سکتا۔ تو اور کون اور کیا بتلائے گا۔ اسلئے یہاں مختصر اشارات دیئے گئے ہیں اور وہ بھی قیاساً۔)

(۱۰۳)

(میری یہی پرار تھنا ہے۔ کہ) تیرے لئے ایک ہی منسکار میں میرے سارے حواس پھیل کر اس دنیا کو تیرے چرنوں پر چھوئیں۔

جولانی کے برسنے والے ہادل کی مانند، جو نہ برسی ہوئی بارشوں سے لدا ہوتا ہے۔ میرا من تجھے ایک منسکار کرتا ہوا تیرے دوار پر جھک جائے میرے تمام لغنے اپنی مختلف سڑوں کو ایک بہاؤ کی صورت میں کھٹی کرتے ہوئے اسے تیرے لئے ایک منسکار میں بحر خاموشی کی طرف بہنے

ویں۔

جس طرح بیمار وطن کو نجس اپنے پہاڑوں کی طرف لوٹتی ہوئی رات دن
اڑا کرتی ہیں۔ میری ساری زندگی ایک ہی منسکار میں اپنے ابدی گھر کی طرف
سفر کرنے لگ جائے۔

(سچی زندگی صرف ایک منسکار کرتی ہے۔ اس کا بنیادی نظریہ ہی اس
کی خاموش منسکار ہوتا ہے۔ سچی منسکار وہی ہے جو ایک دفعہ شروع ہو
کر تازہ زندگی جاری رہے۔ بار بار اس کی رسم ادا کرنے کی ضرورت ہی نہ
رہے۔)

یہ کتاب ٹیٹا گڈ ہیریٹل کے کاغذ پر چھاپی گئی ہے۔ جو میسرز ریم لال کپور اینڈ سنز نے ازراہ
مہربانی کنٹرول ریٹ پر مہیا کیا ہے۔ جس کے لئے ہم ان کے بہت مشکور ہیں۔ مینجر

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور مرحوم کے مایہ ناز شاہکار

میراجپن ہندوستان کے مایہ ناز شاعر اعظم رابندر ناتھ ٹیگور کے خود اپنے قلم سے لکھا ہوا ان کا بچپن۔ ہمیں کمال خوشی اور مسرت سے یہ اعلان کرنے کا موقع ملا ہے کہ مشہور زمانہ ڈاکٹر ٹیگور کے بچپن کے سچے اور عجیب و غریب حالات زندگی اور ودان طبقہ تک پہنچانے میں ہم کامیاب ہو چکے ہیں ایسی بے نیاز تصنیف جس کا آپ نے کبھی تصور بھی نہ کیا ہوگا۔ شاعر کے بچپن میں انہیں بھوتوں کا خوف تارا ہوا ہے۔ شاعر بچپن میں بھی پریشان کر نکلتا رہتا ہے شاعر کے بچپن کا کلمتہ۔ علم و ادب میں گنگا جمنی ادیبوں کا عجیب و غریب ملاپ۔ غرضیکہ اس قسم کی ہزار ہا باتوں کا دلکش بیان جو آپ کے مطالعہ میں اضافہ کا باعث ہوگا۔ زبان بچوں تک کے سمجھنے کے قابل اور خیالات بڑوں کی کشش کا باعث۔ بچے اس سے چھوڑنا نہیں چاہتے اور بڑے اس سے الگ ہونا پسند نہیں کرتے قیمت ۱۲ روپے

ماسٹر جی ڈاکٹر صاحب کا ایک بہترین افسانہ۔ مترجمہ احسان بی۔ اے۔ قیمت صرف ۸ روپے

تاج یہ بھی ایک ماسٹر پیس افسانہ ہے۔ مترجمہ احسان بی۔ اے۔ قیمت صرف ۸ روپے

شہو خیال۔ ڈاکٹر صاحب کے مقبول عام ناول چاروا دھیائے کا دلکش اور سلیس ترجمہ از احسان بی۔ اے۔ قیمت صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ (۱۲)

خاموش حسن خیالات کی بلندی، مذاق کی پاکیزگی، زبان کی لطافت، اور نگاہ کی وسعت میں کوئی مصنف مرحوم ٹیگور کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ سازوں کے تاروں کو اس طریقہ سے چھیڑتا ہے۔ اور ان سے وہ موسیقی پیدا کرتا ہے کہ پڑھنے والے پر وجد کا عالم طاری ہو جاتا ہے خاموش حسن ان ہی کی دس رنگین اور دلکش کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ قیمت ۱۲ روپے

ڈاک گھر ڈاکٹر صاحب مرحوم کا وہ زندہ جاوید ڈرامہ جو نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا

زائن دت سہگل اینڈ سنز تاجران کتب - لوہاری گیٹ - لاہور -

کے تمام بڑے بڑے ملکوں میں بھی اسٹیج پر کھیلا جا چکا ہے۔ ترجمہ جناب جمیل احمد صاحب
کنڈھائیٹوری ایم۔ اے نے کیا ہے۔ قیمت مجلد کتاب ۱۲
کون کسی کا ڈاکٹر صاحب کا نہایت ہی زبردست ناول ہے۔ یہ کتاب انسانی زندگی کی ایسی
دلزدہ اور دردناک ٹریجڈی ہے۔ جسے پڑھ کر آپ بے اختیار رو پڑیں گے۔ ترجمہ
احسان بی۔ اے (آنر) قیمت غیر۔

پھول اور کلیاں یہ ڈاکٹر صاحب کے پچیس بہترین پھول اور کلیوں کا گلدستہ ہے ان
افسانوں کا ترجمہ جناب نیرتھ رام صاحب فیروز پوری نے کیا ہے عکس
مکودنی۔ ڈاکٹر صاحب کی مشہور تصنیف مکودنی کا اردو ترجمہ۔ اس کتاب میں انسانی زندگی
کے اسرار کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ مترجمہ روشن بی۔ اے قیمت غیر۔

الکھن ڈاکٹر صاحب کے بے نظیر شوٹل ناول THE WRECK کا بامہاورا اردو
ترجمہ از قلم حضرت یزدانی جالندھری قیمت مجلد صرف ۱۰/-
چوکیروالی یہ ناول بھی ڈاکٹر صاحب موصوف کے بے حد مقبول بنگالی ناول "چوکیروالی"
کا ترجمہ ہے۔ جو کہ حضرت یزدانی جالندھری کی زور قلم کا نتیجہ ہے قیمت ۳/-

شیرت سیرا

سوال شیرت بابو کی وہ بلند پایہ تصنیف جس کے مقابلہ کا ناول آج دنیا بھر کی کسی زبان
میں نہیں مل سکتا۔ اردو دنیا میں سوال کی شاعت سے لازمی طور پر ایک تہلکہ مچ جائیگا۔ تشنہ
کام رُوح جس گتھی کو بھانے کے لئے صدیوں سے پریشان رہی ہے۔ ہندوستان کی قدیم
ہندیت اور موجودہ تمدن کی کشمکش کا بیان پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ بنگال کے اس
ماہ تازہ سچوت نے نہایت کامیابی کے ساتھ دنیا بھر کے تمدن اور روحانیت کو اس کتاب
میں پیش کر کے ہر مذہب اور ہر ملک کو اپنی مشکلات کا حل ڈھونڈھنے کی دعوت دی ہے

پلاٹ میں وہ مسنی اور دلا دینی ہے۔ جس کا بیان نہیں ہو سکتا بار بار پڑھنے کی چیز ہے سوال
 پڑھکر آپ عمر بھر اس بات کو فراموش نہ کر سکیں گے کہ زندگی میں آپ نے کچھ پڑھا تھا۔ اردو علم ادب
 کے شائقین ہمارے اس کارنامہ کو مدد توں یاد رکھیں گے۔ زیادہ تعریف فضول ہے سالہا سال
 سے اس تصنیف کو اردو میں منتقل کرنے کی کوشش ہو رہی تھی۔ حجم چار سو صفحات قیمت
 خانمان بر باد خلد اشیا ثرت کی وہ زندہ جاوید تصنیف گرہ داد جسے مشہور فلمی ادارہ
 نیو ٹھیٹر کلکتہ نے منزل کے نام سے فلمایا تھا۔ حضرت مائیل یلح آبادی کے زور قلم سے اردو
 زبان میں شائع ہو رہی ہے۔ مترجم نے جس محنت اور قابلیت سے اسے پیش کیا ہے۔ اس
 پر شک آتا ہے۔ محبت کا وہ معیار جس کے سہارے زمین و آسمان قائم ہے۔ خانمان بر باد میں
 آپ کو دیکھنے کے لئے ملیگا۔ ہر لمحہ بے بدل میں گد گدگی اور ہر سطر میں رومان پتہ نظر آتا ہے۔
 خانمان بر باد جیسی سوچ چاہیں کتابیں بھی اگر خوش قسمتی سے اردو میں شائع ہو جائیں تو اردو علم ادب
 کا خزانہ مالامال ہوتے دیر نہ لگے۔

ملک کی دیگر زبانوں میں خانمان بر باد کئی کئی ایڈیشن چھپ کر ہاتھوں ہاتھ بک چکا ہے
 کئی سال کی محنت اور کوشش کے بعد ہم اسے شائع کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں خانمان
 بر باد کی زبان اور خیالات پڑھکر آپ بار بار داد دینے پر مجبور ہوں گے۔

خانمان بر باد خانہ داری کی انجمنوں کو بیکار ایسی زوردار پلاٹ میں بانڈھی گئی ہے کہ
 اسکا سلطانہ ہر شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کے لئے انڈیس ضروری ہے۔ شادی شدہ
 اصحاب اسے پڑھکر گھر کو بہشت بنا سکتے ہیں اور غیر شادی شدہ ازدواجی زندگی کے نشیب
 قرار سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔ (زیر طبع)

ثرت کے بہترین افسانے ثرت بابو کی ایک درجن کتابوں کا پوٹو۔ ثرت بابو کے
 بہترین افسانے پڑھنے کے بعد افسانوں کے متعلق اور کتاب پڑھنے کی ضرورت نہیں۔
 ان کے علاوہ۔ آوارہ۔ مٹری کانت۔ (زیر تیاری)

